مکمل ناول

آسیہ رزاقی

# تمہاری یاد سے بھرے

چھ بہنوں کا ایک بھائی ہونا ایاز کی قسمت میں لکھا تھا۔ وہ پیدا ہوا تو کئی دن سانس ریشمی ڈوری کی طرح اس کے وجود سے پھسلا جا رہا تھا۔ چھ بہنوں، ماں اور دادی کی دعاؤں نے قدرت کو مہربان کیا وہ اس ریشمی ڈوری میں ایک مضبوط گرہ لگا کر آسمان کے جھروکے سے ان سب کی خوشیاں شکر گزاری اپنی کرشمہ سازی پر لوگوں کی حیرانی دیکھ کر مسرور ہو گئی ہوگی۔

چراغ جلانے کا اب فیشن نہیں رہا۔ ورنہ ایاز کی دادی چراغاں بھی کرتیں، بچپن میں کمزور دھان پان بلکہ نحیف و نزار اماں ہر آن اس کی دیکھ بھال کرتیں دادی ہر قدم پر بسم اللہ پڑھتیں۔ اور بہنوں کا وہ لاڈلا دلارا بھائی جس کی ہر خواہش کو پورا کرنا وہ فرض سمجھتی تھیں۔

مگر ابا لاڈ پیار سے زیادہ انہیں مساوات اور تہذیب کا درس دیتے۔ انہیں اپنی لڑکیوں اور اکلوتے



بیٹے میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ وہ بیٹیوں کو ہی فوقیت دیتے تھے اور کسی کا اتنا نہ انہیں پسند نہ تھا۔ دادی کو بہت غصہ آتا کہ ان کا بیٹا اکلوتے بیٹے کی قدر نہیں کرتا۔ اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے۔

ندا سب سے بڑی تھی۔ مگر اس کی دوستی صبا سے تھی۔ جو اس سے دو سال چھوٹی تھی۔ ندا کم بولتی، صبا زیادہ مسکراتی اماں کو ان کا مسکرانا بھی پسند نہ تھا۔

"ابا نے سر پر چڑھا رکھا ہے سب کو۔ کمبختوں کے ہونٹوں پر ہنسی چپک کر رہ گئی ہے۔"

وہ جھلاتی رہتی تھیں۔ چھ بیٹیوں کے بوجھ نے ان کو ناتوانی کا جو تحفہ دیا تھا اس نے انہیں چڑچڑا کر دیا تھا۔ لڑکیوں کا دبی زبان سے ہنسنا، کھلکھلانا انہیں قطعی پسند نہ تھا۔ وہ تو لڑکیوں کے ابا یعنی رحمٰن صاحب کے ڈر سے انہیں زور سے ڈانٹ بھی نہیں سکتی تھیں۔ ورنہ ان کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ سارا غصہ لڑکیوں پر اتارا کریں۔ ساس کی سخت زبان اور ان کی زبان کے چٹخارے سے وہ تنگ رہتی تھیں۔ کیونکہ وہ اعتراض برائے اعتراض کیا کرتی تھیں۔ اور بڑھاپے کے باوجود مرغن غذائیں پسند کرتی تھیں جو اکثر انہیں ہضم نہ ہوتیں۔ پھر دوا علاج کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

کہنے کو دادی اماں کے دو بیٹے اسی شہر میں رہتے تھے مگر ان کا کہیں دل نہ لگتا۔ کیونکہ فرحان کی بیوی بدزبان اور غصے کی تیز تھی۔ وہ ساس نند کو برداشت کرنے پر رضامند ہی نہ تھی۔ ریحان کی بیوی بے حد فیشن ایبل اور تیز طرار تھی۔ وہ تو میاں کے دفتر جاتے ہی خود بھی گھر سے نکل جاتی۔ اور شام کو میاں کے آنے کے وقت ہی گھر میں گھستی۔ دن بھر تالا لگا رہتا۔ ایک بار دادی وہاں جا کر رہ آئی تھیں اور بہو کی بے اتفاقی بیٹے کی بے بسی کے ساتھ بھوک کا مزا بھی چکھ آئی تھیں۔ صبح کا ناشتا کر کے بہو باہر سدھاری، ساس اس کے انتظار میں بیٹھی بیٹھی اونگھ گئیں۔

بارہ بجے تالا کھلا۔ کچن کھلا ہوا تھا۔ مگر وہاں کھانے کی کوئی چیز دستیاب نہ تھی۔ کھانے کے کمرے میں فریج تھا اور یہ تو وہ جانتی تھیں کہ فریج کھانے کی چیزوں سے بھرا رہتا تھا۔ بہو لکنتی ہوئی شام کو آئی تو آتے ہی آتیں تو لپ سو اللہ پڑھ پڑھ کر اسلام علیک ورحمۃ اللہ تک پہنچ گئی تھیں۔ بیٹے سے کچھ کہنا بیکار سمجھ کر بہو سے ہی دبی زبان میں شکوہ کیا۔

"اکیلے پڑے پڑے میں تو دیوانی ہو گئی۔"

بہو نے لاپروائی سے کہا۔ "میں بھی دیوانی ہو جاتی ہوں اسی لیے صبح جا کر شام کو گھر آتی ہوں۔"

دو دن بعد رحمٰن گئے تو وہ ان کے ساتھ واپس آگئیں۔ کچھ بھی تھا رحمٰن کو ان کے پاس بیٹھنے کا وقت چاہے نہ ملے۔ بہو خواہ ان سے بات نہ بھی کرے۔ مگر گھر ہر وقت بھرا بھرا روشن رہتا۔ لڑکیوں کے قہقہے خوش نوا پرندوں کے چہچہوں کی طرح کانوں میں رس گھولتے۔ کھانے پینے کی فراوانی تھی۔ لڑکیاں اپنے شوق میں دادی کا ہر فرمان پورا کرتیں۔

"آج تو پکوڑے بنتے۔" شفا جھٹ پکوڑے تلنے کو تیار۔

"ارے آلو کا بھرتا بناؤ تو تھوڑے سے چپس بھی بنا لینا۔" بھرتا بنے نہ بنے۔ چپس ان کو فوراً مل جاتے۔

"کیسی گرمی ہے لڑکیو! تم کو آئس کریم بنانی نہیں آتی کیا؟" اسی دن انہیں آئس کریم مل جاتی چاہے لڑکیوں نے کتنا ہی دودھ ضائع کیا۔ اور اماں کی ڈانٹ سنی۔ مگر سب نے آئس کریم تو کھائی دادی کی فرمائش پر۔ دادی کی فرمائشوں سے اماں ہمیشہ چڑتی تھیں مگر اب

تو ان کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ وہ دادی کی کوئی بات بھی سنیں۔ قسم قسم کی خالاؤں، ماسیوں اور لوا ٹائپ خواتین سے ان کی دوستی ہو گئی تھی۔ انہی کی وساطت سے کچھ نئی خواتین گھر میں دکھی جانے لگیں۔ لڑکیاں ان کی خاطر مدارات میں اپنا ہنر دکھایا کرتیں۔ دادی اس دن مہمانوں کے ساتھ سیر ہو کر نعمتوں سے پیٹ بھرتیں۔ اور اس معاملے میں بہو کی ترچھی نگاہوں کی ذرہ بھر پروا نہ کرتیں۔ کبھی کبھی رحمٰن صاحب کی آواز بلند ہو جاتی۔ وہ بیوی کی مخالفت میں کہتے۔

"تعلیم بے حد ضروری ہے۔ میں اپنی لڑکیوں کو اعلا تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ معاشرے میں معزز نظر آئیں۔ ابھی کسی قسم کی فکر کرنے کی آپ کو قطعی ضرورت نہیں۔"

"مجھے پڑھنے کا بالکل شوق نہیں۔" ضحیٰ نے شوشو کو بتایا۔ "مگر ابا کہتے ہیں چلیں تو پڑھوانے کا شوق ہے۔"



[illegible] آپ کا کیا پروگرام ہے؟" شوشو نے تیز نظر [illegible] وہ چند دن سے آ رہا تھا۔ اس سے پہلے [illegible] آتے تھے جن کو پڑھانے سے زیادہ [illegible] کا شوق تھا۔

[illegible] تو پڑے گا!" ضحیٰ نے لاچاری سے کہا۔ [illegible] پڑھایا کریں۔ اگر آپ کو نیند نہیں آتی تو کوئی [illegible] ہمارے ہاں کئی رسالے آتے ہیں۔ پڑھیں [illegible] آنا ہی بند کر دیا۔

[illegible] بہنوں کے بھائی کو دل گردہ بہت مضبوط رکھنا [illegible] پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔" دادی ایاز کو [illegible] ذمے داریوں کے بارے میں لیکچر دیا کرتیں۔ [illegible] حقوق ادا کرنے ہیں۔ ان کی ضرورتیں [illegible] ہوں گی۔ ان کی خوشیوں کا سامان کرنا ہوگا۔ ایک [illegible] ہے کہ بہنوں کا سائبان بن کر رہے۔ ان [illegible] اور ان کی خوشیوں میں شریک رہے۔ [illegible] کرے۔"

[illegible] کو وقت سے پہلے ذمہ دار مرد کی خصوصیات [illegible] سکھا رہی تھیں۔ چھ بہنوں کے فرائض کی [illegible] ضرورت، دیگر ذمہ داریوں کے احساس [illegible] بہت بردبار بنا ڈالا تھا۔ اس کا [illegible] بڑی باتوں کو قبول کر لیتا تھا۔ لیکن [illegible] ہی تھا۔ کبھی کبھی وہ محض اس بات [illegible] اس کو کیوں پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ چھ [illegible] ان کی مدد بھی نہیں کر سکتیں۔ جب وہ [illegible] جوش و خروش سے اپنے مستقبل کے پروگرام [illegible] کی شادیاں، ان کے لیے خوشیوں [illegible] کی خدمت وغیرہ کا ذکر ہوتا۔ ابا مسکرا [illegible]

[illegible] اپنی پڑھائی پر دھیان دیں۔ دل لگا [illegible] پوزیشن لائیں۔ کچھ اور کام کی ابھی قطعاً [illegible]

[illegible] رشتوں کی بات کر کے ابا کو جھلاہٹ میں [illegible]

[illegible] لڑکا ہے۔ بہت اچھا۔ خوبصورت [illegible] ہماری ندا کے لیے بہت موزوں ہے۔" [illegible] کیا کرتا ہے۔ کیا صرف خوبصورتی دیکھیں گی؟"

"آپ کی رائے ہو تو تفصیل پوچھوں۔ آپ چل کر دیکھ آئیں۔"

اماں تو روز ہی کہیں نہ کہیں جاتی تھیں۔ اب اکثر ابا کو بھی ساتھ لے جاتیں۔ "ندا کمرے کی صفائی کر لینا۔ صبا کپڑوں پر استری کر لینا۔ شفا سب کو چائے بنا کر پلا دینا۔ اور ضحیٰ تم ایاز کو تنگ نہ کرنا۔ ہما! تم فضہ کو لے کر پڑھنے بیٹھ جاؤ۔"

ابا چاہتے تھے بچوں کے لیے ٹیوٹر رکھ لیں، اماں کا کہنا تھا کہ صبا، ندا بھی پڑھا سکتی ہیں۔ ایاز کا دل کھیل میں زیادہ پڑھائی میں کم لگتا۔ بہنوں سے پڑھنے میں مزا ہی نہ آتا۔ جونہی ندا اس کی کاپی کھول کر اسے کسی غلط کام پر ٹوکتی۔ اس کی غلطی دکھاتی، وہ بگڑ جاتا۔ ندا ڈانٹتی تو کہتا۔

"آپا! تم دیکھنا۔ بڑا ہو کر میں سب سے پہلے تمہاری شادی کروں گا۔ اور اس جھینگے بھجو جیسا دولہا تلاش کروں گا۔"

"ہونہہ۔ کر چکے تم تلاش۔" صبا اسے چڑاتی۔

"میں تم سے نہیں کہہ رہا۔ تمہارے لیے تو کسی خوفناک ڈاکو کا انتظام کرنا ہوگا۔ دن، دنا دن گولیاں چلاتا، گھوڑے پر سوار بارات لائے گا۔ اور تمہیں۔"

"بس معاف رکھو۔" صبا مسکرائی۔ "کیا تمہارے بڑے ہونے تک ہم یہیں بیٹھے ہوں گے۔"

وہ شرارت سے ندا کو دیکھتی۔ ندا ایاز کے سر پر کاپی مار کر باتیں کرنے سے باز رکھنا چاہتی تو اسے غصہ آ جاتا۔

"اماں کو بتاؤں گا سب مجھے مارتی ہیں۔" وہ دھمکی دیتا۔

"بتا دینا۔ پڑھو گے نہیں۔ بک بک کرو گے۔ یہ سیکھا ہے تم نے۔ ایں؟ میں نے تو تم کو مارنے کے لیے ایک لکڑی بھی منگوالی ہے۔ کیونکہ ابا نے خود کہا ہے ایاز کو مار کر پڑھانا پڑے تو جھجکنا مت۔"

"بلکہ۔ پڑھائی سے پہلے پٹائی ہو جائے تو نتیجہ بہت مناسب نکلتا ہے۔" صبا ندا کو اکساتی۔

"ٹھیک ہے۔ مارو۔ سب مل کر مارو۔ یاد رکھنا کسی کی شادی نہیں کروں گا۔ ہاتھ جوڑو گی تب بھی نہیں۔"

"مگر امی اور ابا تو ہیں ہی ہیں۔" شفا کسی الماری میں سر جھکائے کسی خاص چیز کی تلاش سے مایوس ہو کر سر

باہر نکالتی۔

"ابا۔ امی تو اس سال آپا کی شادی ضرور ہی کر دیں گے۔ لکھ لو مجھ سے۔"

ندا جھینپ جاتی۔ ایاز سے کہتی "چلو اپنی کتاب کھولو۔ میں فالتو نہیں ہوں کہ بیٹھی رہوں گی۔"

ایک ایسے ہی کسی موقعے پر ندا کے ہاتھوں پٹنے کے بعد ایاز ماں کی تلاش میں گھر سے جانے لگا پھر رہا تھا۔ تو دادی نے اسے بتایا کہ تمہارے ماں باپ داماد کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔

"کہاں؟ دادی وہ کہاں تلاش کریں گے؟"

"ارے مجھے کیا خبر۔" دادی ناراضگی سے بولیں۔ "تمہاری ماں کا حکم ہوتا ہے۔ اور وہ پیچھے چل پڑتا ہے نہ دفتر کا خیال۔ نہ گھر کا۔ بس بیوی کے پیچھے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہے۔ ہم نے تو ایسا حال نہ دیکھا نہ سنا۔"

"آپ نے کسی کی چھ بیٹیاں دیکھی ہیں؟" صفی نے کسی کونے سے کہا۔

دادی گھبرا گئیں۔ "اوئی۔ یہ فتنی کہاں سے آ گئی۔ لو اب میری سونف چھالیہ کی خیر نہیں۔"

"نہیں۔ ہم سونف لینے نہیں آئے۔ دادی ہمیں گڑیا کے جہیز کے لیے کپڑے چاہئیں۔ آپ کے پاس کترنیں ہوں گی۔ وہ دے دیجیے۔"

"اری ہٹ۔ میرے پاس کترنیں کہاں سے آئیں؟"

"آپ کے تکیے کے نیچے ہوں گی۔ دیکھیے تو۔ ورنہ گدے کے نیچے۔ یا پھر کسی بقچی۔ پٹلیا میں۔

دادی! ورنہ پھر ہماری گڑیا کا جہیز کیسے بنے گا۔ اتنے کم کپڑے ہیں۔" وہ نہایت تفکر سے کہہ کر دادی کو دیکھنے لگی۔ جو فوراً آرام ہو گئیں۔ اور ڈھیروں کترنیں دے کر سلائی میں مصروف ہو گئیں۔ ایاز، شفا، صفی، فضہ، ہما سب پڑھائی چھوڑ چھاڑ گڑیا کی شادی کے انتظام میں لگ گئیں۔ صحن میں لپ چپ گلگلے تلنے بیٹھی۔ دادی کی تو عید ہوگئی۔ شاندار شادی جاری تھی کہ دروازے پر زوردار دستک نے [illegible] کر دیا۔

"کون ہے بھئی؟" ایاز نے دروازہ کھولا۔ صبا اس کے پیچھے دوڑی آئی۔ شاید اماں ابا ہوں۔ دروازے کے سامنے اجنبی چہرہ تھا۔ ہنستی آنکھیں مسکراتے لب شریر آنکھیں۔ کوئی نوجوان تھا۔ صورت سے بے تکلف انسان لگتا تھا۔

"مجھے رحمٰن صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ۔ وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔" صبا نے جلدی سے کہا۔

"اوہو۔ اچھا۔ کہاں گئے ہیں؟ آفس میں تو ملے نہیں۔"

"وہ۔ داماد کی تلاش میں گئے ہیں۔" ایاز نے سہولت سے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"چہ چہ چہ۔ کیا۔ کھو گئے ہیں وہ؟ میرا مطلب ہے داماد صاحب؟"

"نہیں جی۔ ابھی ملے ہی کہاں ہیں؟"

"اوہو۔ پھر۔ کب آئیں گے رحمٰن صاحب؟"

"جب داماد مل جائے گا۔ اصل میں ابا اس سال وہ آپا کی شادی کر کے ہی رہیں گے۔"

"اجو۔" صبا نے آنکھیں نکال کر ایاز کو گھورا۔ "چپ رہو۔"

"آپی! تم چپ رہو۔ آنکھیں مت پھاڑو۔ تمہاری باری بعد میں آئے گی۔ پہلے آپا کی شادی۔" صبا اجنبی کے سامنے شرمندہ ہو گئی۔ شرم کی سرخی اس کے چہرے پر شفق کی طرح پھیلنے لگی۔ اجنبی نے دلچسپی سے ایاز کو دیکھا پھر صبا سے کہا۔ "پلیز آپ رحمٰن صاحب"

"آپ اپنا نام بتا دیں۔" صبا نے گھبرا کر کہا۔ "میں انہیں بتا دوں گی۔" وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

اجنبی نے فخر کے اظہار میں کالر اوپر کیے۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ آستین کے بٹن چیک کیے۔ اور مزے سے کھنکار کر کہا۔

"نام۔ ہمارا نام ہے۔ یوسف۔ یوسف ثانی یاد رہے گا۔ یا پھر بتاؤں؟"

"جی۔ جی یاد رہے گا۔" صبا یکبارگی سہم گئی۔ کیسی بڑی اور خوبصورت آنکھیں تھیں۔ ناچتی ہوئی۔ بولتی ہوئی اس نے دل کو کوسا۔ یوں کیوں دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ کیا کبھی لڑکے کو نہیں دیکھا۔ "دیکھا ہے" دل نے کہا "پر ثانی کو نہیں دیکھا تھا۔"

شام کو اماں ابا بولتے ہوئے گھر میں گھسے۔ "میں کہتی ہوں جتنا بوجھ ہلکا ہو سکے۔ کر لینا چاہیے۔ تم ایسے



ہی میں میخ نکالتے رہے تو کسی کی تشریف مرے باپ اسی گھر میں جمی رہے گی۔"

"تو سب کو اٹھا کر کنوئیں میں پھینک دوں۔" ابا جھلائے ہوئے تھے۔

"کب کہا یہ۔ میں نے!" اماں معصومیت سے بولیں۔

"[illegible] کر کے کاروبار میں لگ گئے صاحبزادے۔ ایسا رشتہ تو میرے دفتر کے چپڑاسی کے ہاں بھی مل جائے گا۔ بلکہ چپڑاسی کا بیٹا ایف اے کر کے اپنا کام کر رہا ہے۔"

"تو اس کی آمدنی دس پندرہ ہزار ماہوار کی تو نہیں ہے۔"

"آمدنی۔ اف۔ آمدنی۔" یہ ابا پھر کر اندر گھس گئے۔

"ہو گئے لاجواب۔ میں کہتی ہوں ایک کو سرکاؤ پھر سب۔ آگے۔"

"ہاں۔" ابا اندر سے ہی بولے۔ "ایک کو کنوئیں میں دھکا دے دوں۔ تو سب ہی لائن لگا کر کود پڑیں گی۔ خدا کے لیے انہیں بوجھ نہ بناؤ۔ یہ بوجھ نہیں۔ اللہ کی رحمت ہیں۔ بیزار نہ ہوں بیگم۔ شکر ادا کریں۔"

بعد میں اماں بڑبڑاتی رہیں۔ "عرش سے اتر کر [illegible] رشتہ۔ کچھ پسند نہیں آتا۔"

رات کو شفا نے تکیے سے سر اٹھا کر ندا سے پوچھا۔

"آپا! اماں ہمیں بوجھ کیوں کہتی ہیں؟"

ندا نے پیچھے سے کہا۔ "پتا نہیں۔" وہ بہت بردبار اور خاموش لڑکی تھی۔ بہن کے استفسار پر بے چین ہو گئی۔

---

صبح کو ابا دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ اماں پٹی باندھے بستر پر لیٹی تھیں۔ شاید کل کی تھکن اتری نہ تھی۔ ایاز نے جوتے پہنتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

"ابا۔ ایک صاحب آئے تھے آپ سے ملنے۔ ثانی!"

ابا نے ذہن پر بوجھ ڈال کر کہا۔ "میں اس نام سے واقف نہیں ہوں۔"

"ابا۔ وہ یوسف بتا گئے ہیں اپنا نام۔" صبا نے جلدی سے کہا اور ایاز کو گھور کر دیکھا۔ جس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

مگر ابا کے سامنے وہ بڑی بہن کو جھٹلا نہ سکا۔ چپکے سے بڑبڑایا۔

"ثانی ہی تو بتایا تھا۔"

ابا کے جاتے ہی اماں تو ایک مائی سے باتوں میں لگ گئیں۔ جو کوئی قابل رشک رشتہ لائی تھی۔ پھر اماں اس مائی کے ساتھ چلی گئیں

"پہلے میں خود دیکھ لوں۔ پھر ان کو بتاؤں گی۔" انہوں نے چپکے سے ساس سے کہا وہ بعد دوپہر واپس آئیں۔ بہت مایوس اور دل گرفتہ۔ "کمبخت نے اتنے چکر لگوائے۔ راستہ بھول گئی۔ ٹانگیں ٹوٹ گئیں میری۔ توبہ اللہ۔"

سہ پہر کو ابا آئے۔ تو ان کے ساتھ یوسف ثانی بھی تھے۔ اماں تھکی ہوئی کمرے میں لیٹی تھیں۔ ندا ان کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ انہوں نے برآمدے میں آ کر اماں کا پوچھا۔ ندا نے کھڑکی سے جھانکا۔ اور غیر ارادی طور پر اس کی نظر یوسف کی نگاہوں سے مل گئی۔ دودھ کا مگ اس کے ہاتھ میں کانپ گیا۔

برآمدے میں صبا استری کر رہی تھی۔ وہ یوسف کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔ استری پھسل کر اس کے ہاتھ پر لگی۔ شفا نے آنکھوں میں حیرانی بھر کر یوسف کو دیکھا۔ فضہ ہما اور صفی سر اٹھا کر اسے یوں تکنے لگیں جیسے چوزہ سارس کو دیکھے۔ یوسف سٹپٹا گیا۔ ہر سمت آنکھیں بے چین حیران۔ اور مضطرب نگاہیں۔ اماں نے کمرے سے جھانکا۔

"یہ ان کو کیا ہو گیا۔ جانے کس جوان لڑکے کو لیے چلے آ رہے ہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھیں۔

"یہ آپ کے نئے ٹیوٹر ہیں۔" ابا نے ایاز کو بلا کر تعارف کرایا۔ ایاز کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"صبا بیٹی! اوپر والا کمرہ صاف کرا دینا۔ یہ یہیں رہا کریں گے۔" ابا نے کہا۔ استری صبا کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری۔ اماں کی خفگی اور اعتراض پر انہوں نے کہا۔

"لڑکا شریف گھر کا ہے۔ بے حد شائستہ اور پریشان حال ہے۔ شریف صاحب کے عزیزوں میں سے ہے۔ میں نے ان سے ایاز کے لیے ٹیوٹر کا کہا تھا۔ انہوں نے اسے بھیج دیا۔ ایم اے کا امتحان دے کر نوکری کی تلاش میں ہے۔ ایک دکان یہاں ہے جس کی ناکافی آمدنی پر گزر بسر ہے۔

اس کی ماں گاؤں میں رہتی ہے۔ بیٹے کے رزلٹ کے انتظار میں اور نوکری کی آرزو میں۔ پھر وہ بھی یہیں آجائیں گی۔ ماں باپ کا اکیلا بیٹا ہے۔ دو بیٹیاں ہیں شادی شدہ، بس یہ ہیں اس کے احوال۔"

اماں بڑے جوش میں اٹھی تھیں۔ پھر دکان اور اس کی ناکافی آمدنی کا سن کر دھم سے بیٹھ گئیں۔

"دکاندار۔" وہ طنز سے بولیں۔

"تعلیم یافتہ اور مہذب۔" ابا نے انہیں کڑی نظروں سے دیکھا۔

اوپر کا کمرہ صاف ہی تھا۔ ایک میز کرسی اور پلنگ ڈال دیے گئے۔ شام کو یوسف ثانی ایک بکس اور بستر لے کر آگئے۔ ایاز کو پڑھنے کے لیے اوپر جانا پڑتا۔ جانے سے پہلے ان کو شدید قسم کی بھوک پیاس ستاتی۔ کچھ کھاپی کر چائے کی طلب ہوتی۔ چائے کے بعد وہ دادی کا کمرہ کھنگالا کرتے کبھی سونف۔ اور کبھی کسی مٹھائی کی توقع میں تلاشی لیتے صحن سے منھ چھپے رہتی۔

"چلو۔ ماسٹر صاحب بلا رہے ہیں۔ اٹھو جلدی آدہ ورنہ پٹائی ہو گی۔"

کئی پکاروں کے بعد وہ کراہتے ہوئے کسی پرانی چوٹ کا کھرنڈ اکھاڑتے ہوئے۔ منہ سے تکلیف کی آوازیں نکالتے اوپر جاتے۔ یوسف کی سخت نظروں سے ڈر کر کتاب کھول لیتے۔

"پڑھنا۔ پڑھنا۔ اور پڑھنا۔ امتحان پاس کرنے کے لیے یہی کام ضروری ہے۔" یوسف نے انہیں بتایا۔

پڑھائی کے دوران انہیں پھر سخت پیاس لگتی۔ اور وہ دھم دھم زینہ اترتے ہوئے بے حد مسرور نظر آتے۔

"میں ایک صراحی اوپر رکھوا دوں۔" ندا نے کہا۔ ایاز نے مخالفت کی۔

"ارے نہیں آپا! پھر مجھے نیچے آنے کا موقع نہیں ملے گا۔ پچی سانس لینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بس پڑھائی پڑھائی۔ اور پڑھائی۔ دماغ پلپلا ہو گیا ہے میرا۔"

صبح ہوتے ہی یوسف ثانی ملازمت کی تلاش میں نکل جاتا۔ اس کو توقع تھی کہ کوئی ملازمت تو مل ہی جائے گی۔ تعلیم اور قابلیت کا مالک تھا۔ مگر باعزت روزگار اسے نہ ملا۔ ایک مہینہ گزرنے پر اس نے اپنی کاوشوں کا خلاصہ کہہ سنایا۔ رحمٰن صاحب بھی فکر مند ہوئے۔ اس

نے لجاجت سے درخواست کی کہ اگر اسے چند ٹیوشنز ہی مل جائیں تو بہتر اور مناسب ملازمت ملنے تک اسی بھروسے وہ ماں کو بلوا لے۔ وہ وہاں تنہا نہیں۔ مگر میں ان کے بغیر تنہا ہوں۔

رحمٰن صاحب پر ان کی اس بات کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے اسی دن ہما، ضحیٰ اور فضہ کو ان کے حوالے کر دیا اور اپنے ساتھی صدیقی صاحب کے بیٹوں کی ٹیوشن بھی لگا دی۔ اماں نے بہت برا مانا۔ وہ پورا زور لگاتی رہیں کہ لڑکیوں کو یوسف سے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر رحمٰن صاحب ان کی ہر بات نہیں مانتے تھے۔ وہ ساس کے پاس فریاد لے کر گئیں۔

"اب دیکھیے اماں جان: یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ماسٹر کی بیروزگاری کے لیے اپنی لڑکیاں اس کے پاس بٹھا دیں جانے اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی ہے۔ ایاز کے لیے تو ٹھیک تھا۔ مگر لڑکیوں کے لیے اتنا خرچ مطلب یہ کہ۔"

"وہ پہلے بھی تو پڑھتی تھیں ماسٹر سے۔" دادی نے کہا۔

"وہ تو بوڑھے تھے، جوان ماسٹر لڑکیوں کو پڑھائے یہ کہاں کی عقل مندی ہے۔"

"تو وہ پہلے والے پڑھاتے ہی کب تھے۔" دادی نے فوراً ایک نکتہ اٹھایا۔ "یونہی کبھی سو کر کبھی بیماریوں کی تفصیل سنا کر وقت گزارتے تھے۔ بس ان کی بھی پرورش ہو رہی تھی۔"

"میں کہتی ہوں ٹیوشن کی ضرورت ہی کیا ہے۔" اماں چڑ کر بولیں۔ "ہم نے ٹھیکہ تو نہیں لیا۔ کہ مفت میں دیا ہے لڑکیاں حوالے کر دیں۔ کبھی نوکری نہیں ملتی تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔" ان کی ایک نہ چلی۔ تو وہ رحمٰن صاحب سے خفا ہو گئیں۔ "لڑکیاں اوپر پڑھنے نہیں جائیں گی۔ اس ماسٹر سے کہو نیچے آیا کرے۔"

رحمٰن صاحب مسکرا دیے۔ یوسف اپنی ماں کو گاؤں سے لینے کے لیے گیا ہوا تھا ـــ وہ ٹیوشنز اور مل گئی تھیں۔ دو تین دن بعد وہ آیا۔ اس ان کی والدہ نیچے ملاقات کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ تھکے اور بجھا از راہ ہمدردی و شاگردانہ فرائض کی بجا آوری کے جذبے کے تحت ان کا سامان



[illegible] رہی تھیں۔

[illegible] کے لیے تو یہ کمرہ چھوٹا ہوگا۔ آپ کی امی [illegible] کہاں پکائیں گی؟" ہما کے پُرتفکر چہرے [illegible] اس نے پیار سے اس [illegible] کہا۔

[illegible] بے گھر بے در ہونے سے ایک کمرے کی [illegible] ہے۔ یہ ایک کمرہ نہیں میرے لیے پناہ گاہ ہے۔ معلوم ہے جب نئے شہر [illegible] دن تو پارک میں ہی رات بسر کرنی پڑی۔ [illegible] مجھے چور ہی سمجھ کر پکڑ لیے گیا۔ بمشکل [illegible] کاغذات اور شناختی کارڈ دکھا کر [illegible] میں نوکری کے لیے آیا ہوا ایک پردیسی [illegible] جاتے جاتے وہ میری گھڑی لے گیا۔ اور [illegible] بارش ہو رہی تھی تو ایک پل کے نیچے جاگ [illegible]

"[illegible] اللہ۔" ضحیٰ افسوس کے لہجے میں بولی۔ "آپ [illegible] یہاں۔"

"[illegible] کوئی دوست رشتے دار نہیں ہے؟"

"[illegible] ہیں اور رشتے دار بھی ہیں۔ مگر بے روزگاری [illegible] کے دل میں جگہ تلاش کرنا فضول ہے۔ [illegible] ہوتی ہیں نہ دروازے۔ تانک جھانک [illegible] نہیں ہوتی۔"

---

[illegible] دیکھو اس مہینے کے رسالے میں نیا سلسلہ [illegible] صبا نے ندا کو متوجہ کیا۔ "لکھتے ہیں۔

[illegible] جنوری تک کے دوران پیدا ہونے والی [illegible] محبت، باوفا ہوتی ہیں۔ محبوب کے لیے [illegible] کے لیے قابلِ رشک بیوی۔ وہ اپنی [illegible] سب کو مائل کرتی ہیں۔"

"[illegible] ہے سب۔" ندا نے کہا۔ "اس پر یقین [illegible]

"[illegible] کچھ تو ہوتا ہے۔ آگے کیا لکھا ہے۔ [illegible] لیں۔ تو تا زندگی اسی کی ہو کر رہنا چاہتی [illegible] پسند کر لیں۔"

[illegible] آگے پڑھنا چاہتی تھی مگر اسی وقت اماں [illegible] لیا۔ ندا کو خاموش رہنا پسند تھا۔ وہ اپنے

چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر ناگواری لوپی جاتی۔ اور تکلیف کا اظہار نہ کرتی۔ جبکہ صبا کو بولنے کی عادت تھی۔ وہ بہت جلد گھبرا جاتی تھی۔ اس میں صبر و تحمل کی کمی تھی۔ ندا بی اے کا امتحان دے کر آئی تو چہرہ اترا اترا تھا۔ اماں نے پوچھا۔

"کیوں ندا، کیا پرچہ اچھا نہیں ہوا۔؟"

"پرچہ تو اچھا ہو گیا۔" ندا نے حیران ہو کر کہا۔ اماں کو ان کے تعلیمی شوق یا سرگرمیوں سے دلچسپی نہ تھی۔

"تو کیا تھک گئی ہو؟" انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔ ندا نے سوچا اچھا۔ اماں بھی چہرے سے اندازہ لگانا جانتی ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی کسی بیٹی سے اس قسم کا ہمدردانہ سوال نہیں کیا تھا۔ اس نے اس کے کندھے سے سر ٹیک کر کہا۔

"ہاں اماں! سینٹر بہت دور تھا ناں۔ اور بس اسٹاپ بھی بہت دور تھا۔ چلتے چلتے میں تو تھک گئی۔ آج آخری پیپر تھا ناں۔ اس لیے زیادہ ہی محسوس ہوا۔"

"ہاں بیٹی! بوجھ اتر جائے تب بھی تھکن کا احساس طاری ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ پاس تو ہو جاؤ گی نا؟"

"جی امی۔" ندا نے قدرے حیرت سے امی کو دیکھا جو متفکر نظر آ رہی تھیں۔ "بھلا میں کبھی فیل ہوئی ہوں؟"

"پھر ٹھیک ہے۔ میری تھکن بھی اتر جائے گی۔" امی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ رات کو ابو نے بھی سوال کیا۔

ندا نے دبی زبان سے کہا۔ "جی ابی جی۔ مگر میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔"

ابو ہنس دیے۔ "ضرور۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میری بیٹی بہت ذہین ہے۔ میں اسے ایم اے کراؤں گا۔ میں کیا کراؤں گا۔ وہ خود کرے گی۔ بیٹا جتنا چاہو پڑھو۔ اپنی صلاحیتیں کام میں لاؤ۔"

امی کی بھنویں تن گئیں۔ انہیں یہ ذکر بہت ناگوار گزر رہا تھا۔ رات کو بستر پر لیٹے لیٹے وہ دیر تک صبح کے نظارے میں کھوئی رہی۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ صبا سے کچھ پوچھتی۔ وہ پیپر دے کر سینٹر سے باہر نکل رہی تھی۔ سامنے سے ایک بس گزر رہی تھی۔ ندا نے اسے رکنے کا ہاتھ بھی دیا مگر ڈرائیور نے بس نہیں روکی۔ بس اسٹاپ کچھ آگے تھا۔ گزرتی بس پر اس نے صبا کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا اس کے گھنگھریالے بال ہوا سے منتشر ہو گئے تھے اور کانوں کے بالے جھوم رہے تھے۔ بس گزر گئی مگر سب سے پیچھے مردوں میں اس نے یوسف ثانی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اور اسے خیال آیا۔ یہ اتفاق ہے۔ مگر گھر پہنچ کر جب اس نے صبا کو نہیں دیکھا تو اماں سے پوچھ لیا۔

"امی! صبا ابھی نہیں آئی؟"

اور اماں نے اطمینان دلایا: "وہ تو روشن کے ساتھ انارکلی گئی ہوگی۔ صبح ہی کہہ گئی تھی۔"

حالانکہ صبا کو معلوم تھا کہ آج ندا کا آخری پیپر ہے۔ اس نے ندا کا انتظار نہیں کیا۔ ندا کو بھی انارکلی جانا تھا۔ صبا کو یہ بات معلوم تھی کہ ندا امتحان ختم ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔ اور صبا کو انارکلی میں کیا کام تھا؟ وہ بے خیالی میں زینہ چڑھ کر اوپر پہنچی۔ یوسف کی امی کپڑے دھو رہی تھیں۔ ندا نے ہر طرف نظر ڈالی۔ یوسف ابھی نہیں آئے تھے۔ وہ کپڑے دھلوانے میں ان کی مدد کرنے لگی دھلے کپڑے الگنی پر پھیلانے لگی۔ کپڑے دھو کر یوسف کی امی چائے بنانے لگیں۔ یوسف کا کہیں پتا نہ تھا۔ شام کو صبا آئی تو بہت تھکی ہوئی تھی۔ وہ بستر پر گر کر پڑ رہی اور ٹھنڈے پانی لانے کے لیے شور کرنے لگی۔ حالانکہ وہ آہستگی سے بھی پانی مانگ سکتی تھی۔

"کہاں گئی تھیں؟" ندا نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"انارکلی۔" اس نے پانی پی کر کہا۔

"تمہیں پتا تھا نا کہ آج میرا آخری پیپر ہے۔ اور مجھے بھی انارکلی جانا ہے۔ تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟"

ندا نے ناراضگی سے کہا۔ صبا ہنسنے لگی۔ "ارے ... تو پھر کیا ہوا۔ کل چلی جانا۔" وہ بے فکری سے گنگنانے لگی۔ ندا کی ہمت نہ ہوئی اس سے پوچھتی۔

"ایک بس میں تمہارا اور یوسف کا موجود ہونا اتفاق ہے یا ...؟" وہ دل میں اداس ہو گئی۔ کیا صبا اماں ابا کو دھوکا دے رہی ہے؟ کیا وہ انارکلی گئی تھی؟ یا یوسف کے ساتھ۔ صبا کہیں جا کر آتی تو کئی دن وہاں کے قصے سناتی رہتی مگر انارکلی میں شاید اسے کسی حیران کن واقعے سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ نہ ہی اس کی سہیلی روشن نے کوئی اوٹ پٹانگ حرکت کی تھی جس کا ذکر وہ ہنس ہنس کر کرتی۔ ندا نے پاس لیٹی صبا کو دیکھا جو غنودگی میں تھی۔

شاید خواب دیکھنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس کے لبوں پر معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ کیا اسے آج دن کا کوئی واقعہ یاد آ رہا تھا؟ یا یوسف کی کوئی پرلطف بات۔ یوسف۔ ندا نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ معصوم اور شوخ سے چہرے والا۔ سنجیدہ بات بھی پر مزاح انداز میں کرنے والا ایاز کا ٹیوٹر۔ جو صبا اور منہ کا جانی جان بن گیا تھا۔ اور صبا۔ اور خود ندا۔ وہ گھبرا کر تکیے میں منہ گھسا کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

---

اماں حسب معمول داماد کی تلاش میں کہیں گئی ہوئی تھیں۔ باقی سب اسکول کالج گئے ہوئے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ندا دادی کے ساتھ سبزی بنوا رہی تھی۔ ندا کھڑی ہو گئی تب اسے اندازہ ہوا دستک گلی کے دروازے پر نہیں، زینے کے دروازے پر ہو رہی ہے۔

وہ یوسف کی امی کی توقع میں دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ لڑکھڑا گئی۔ سامنے یوسف ثانی پوری آب و تاب سے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ ندا پر نظر پڑتے ہی ان کی مسکراہٹ کم ہوتے ہوتے فنا ہو گئی۔ شاید وہ صبا کے خیال میں تھے۔ ندا کو کوفت ہونے لگی۔ یوسف بھی نروس نظر آ رہا تھا۔

"امی! میری امی اندر۔ اگر وہ ہوں تو ان کو بلا دیں۔"

"یہاں نہیں ہیں۔" اس نے بے رخی سے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ شام کو اس کی امی مٹھائی کا ڈبہ لے کر آئیں اور بتایا۔

"یوسف فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا ہے۔" ابا نے سنا تو مسکرا دیے۔ خوش ہو کر بولے۔

"بہت لائق لڑکا ہے۔ ایم اے جرنلزم کیا ہے اب



آگیا ہے۔"

"میں بھی جرنلزم میں ایم اے کروں گی۔" ندا نے بے ساختہ کہا۔ وہ کئی دن سے ایم اے کے مضامین کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"اب بس کرو۔ اللہ گھر کا کام دیکھو۔" اماں نے ناگواری سے کہا۔ ابا نے انہیں گھورا۔

ندا خود بھی اپنے اس بے تابانہ اظہار پر شرمندہ ہو گئی۔ اور باہر نکل آئی۔ صبا اس دن خاموش تھی اور ابا کے کپڑے استری کر رہی تھی۔ ندا غور سے اسے دیکھتی رہی۔ جانے اس کے دل میں کیا ہے۔ دسمبر جنوری کے درمیان پیدا ہونے والی جدی عورت۔ شاید یوسف کے امتحان میں کامیاب ہونے پر مسرور منتظر۔

ابا نے ندا سے پوچھا۔ "بیٹی تمہاری ماں تو تمہیں اپنے گھر کا بسا دیکھنا چاہتی ہیں۔ تم انہیں رضامند کر سکتی ہو؟"

وہ ڈر گئی۔ اسے اماں کی خفگی سے بہت خوف آتا تھا۔ دبی زبان سے بولی: "ابو آپ اور امی ...!"

وہ اس کے ڈر کو سمجھ گئے۔ حوصلہ افزائی کے لیے [illegible] لگے: "ارے بیٹا! وہ بہت زیادہ مخالفت نہیں [illegible]۔ تم اگر کہو گی تو مان لیں گی۔ میں تو چاہتا [illegible] بیٹیاں اعلا تعلیم حاصل کر کے معاشرے میں [illegible] حاصل کریں۔ اور لوگ بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح [illegible] نظریے پر نظرثانی پر مجبور ہو جائیں۔ اور بیٹیوں [illegible] عورت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ان کو برابری کا [illegible] چاہتا ہے زمانے کی ترقی خوشحالی اور بہبود [illegible] کہ تم لوگوں کے سر کا تاج بنا دوں۔ اپنے [illegible] تکمیل کے راستے میں کسی کی دخل اندازی پسند [illegible] خواہ وہ تمہاری ماں ہوں یا میری۔"

[illegible] آواز اس کے گلے میں پھنس گئی۔ شکرگزاری اور [illegible] کا کوئی لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا۔ اس نے [illegible] پر اپنا سر ٹکا دیا۔ اور وہ اسے تھپکنے لگے۔

"[illegible] راز و نیاز ہو رہے تھے ابا سے۔" صبا [illegible] شرمندہ ہو گئی۔

"[illegible] راز و نیاز کیا بس۔ ابا کچھ پوچھ رہے تھے۔"

"[illegible] اس شوروم کے مالک کے بارے میں تو نہیں [illegible] کی شکل ہمارے دودھ والے جیسی [illegible] بہت پسند ہے۔ کہتی ہیں مرد کی شکل نہیں عقل دیکھنی چاہیے۔ مرد کماؤ ہو۔ اللہ بس۔" ندا جھینپ گئی۔

"اچھا۔ اس سلمیٰ ستارے والے دادا پوتے کے متعلق پوچھ رہے ہوں گے، جن کی آمدنی ایک ہزار روپیہ ہفتہ ہے۔ مندے کے دنوں میں۔ شادی بیاہ اور عیدین کے سیزن میں دگنی چوگنی ہو جاتی ہے۔ امی کہتی ہیں۔ پوتا بہت اسمارٹ ہے۔ دادا کی طرح نہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اس دادا کی ہماری دادی سے شادی ہو جائے۔ تو۔ ایک پنتھ دو کاج۔ ہی ہی ہی۔"

صبا ہنسنے لگی۔ بلاشبہ صبا کی معلومات کافی وسیع تھیں۔ معلوم نہیں وہ کس طرح سب کچھ معلوم کر لیتی تھی۔ ندا اپنی بے خبری پر اکثر شرمندہ ہو جاتی۔ اماں بے چاری بھی مجبور تھیں۔ ان کی پریشانی کو وہ خوب سمجھتی تھی۔ چھ لڑکیاں چٹان کی طرح سینے پر جمی ہوئی تھیں۔ لاکھ وہ کفایت سے کام لیتیں۔ مگر آمدنی کے حساب سے خرچ بھی بڑھتے جاتے۔ پھر شادی میں لوگوں کو نمائشی ساز و سامان کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ جم جما لشکارے مارتا جہیز جس میں بے اندازہ کپڑے ہوں خواہ وہ پہننے نہ جائیں۔ لمبی سلامی ہو۔ چاہے لڑکی کا باپ اپنی قیمت لگا کر ادا کرے۔ فضول رسومات جس سے ہر آن دولت و حشمت آشکارا ہو۔ مگر چھ بیٹیوں کے والدین ان تقاضوں کو پورا نہ کر سکیں تو کیا پریشان ہونے کا بھی انہیں حق نہیں؟

ان کے گھر میں نمائشی ساز و سامان نہ تھا البتہ بچوں کو تہذیب و اخلاق کا درس دیا جاتا۔ لڑکیاں والدین اور بزرگوں کا لحاظ و احترام کرتی تھیں۔ پرانی روایتیں دم توڑ رہی تھیں۔ لیکن نئی تکلیف دہ رسومات معاشرے کا بوجھ بن رہی تھیں۔ لوگ آزادی کی رٹ لگا رہے تھے۔ عورتیں اپنے لیے آزادی مانگ رہی تھیں۔ ہر شخص آزاد ہونا چاہتا ہے۔ دوسروں کو اپنے نظریے کا پابند بنانا بھی ان کی خواہش ہے۔ رحمٰن صاحب بے جا پابندیوں کے خلاف تھے۔ اسی لیے انہیں لڑکیوں کی طرف سے زیادہ فکر نہ تھی کہ انہوں نے ایک روشن خیال ماحول میں آنکھ کھولی ہے۔ ذہنی طور پر بااعتماد ہیں۔ بڑوں کا احترام اپنی جگہ کہ تجربے اور مشاہدے میں والدین اولاد سے بہت آگے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی خواہش کا احترام ملحوظ رہتا ہے۔ لیکن ندا صبا سے بھی دب جاتی۔ شفا سے بھی ڈر جاتی۔ اسے کسی پر اعتماد نہ تھا۔ جانے کب کوئی بری بات لگے تو چھوٹی بہنیں بدزبانی

پر اُتر آئیں۔ لوگوں کے گھروں میں لڑکیوں کی آزاد روش اور گستاخی دیکھ کر اماں بھی پریشان ہو جاتیں۔ اور ندا صبا پر اپنا رعب قائم رکھنے کی ہر امکانی کوشش کرتیں۔ چھوٹی لڑکیاں خود بخود ان کے چشم ابرو کے اشاروں پر چلتیں۔ اماں اولاد کی بغاوت کے خدشے سے بے چین رہتی تھیں۔ لڑکیوں کا معاملہ بہت نازک تھا۔ ایک دن بہت تاثر کے عالم میں انہوں نے کہا۔

"جس کی چھ بیٹیاں ہوں۔ وہ کیا اتنا بے فکر ہوتا ہے۔ ایک بیل سرکاؤ۔ دوسری کے لیے تیاری کرو۔ دنیا بہت خراب ہے۔ اور دنیا کی زبانیں بھی ہزاروں قسم کی ہیں۔ تلخ ترش۔ کڑوی زہریلی۔ بات ہو گئی پرطعانی۔ مجھے زہریلی زبان سے ڈر لگتا ہے۔ میرا یہ ڈر تو دور کرو۔"

ابا سوچ میں گم تھے۔ پریشان سے۔ دراصل ان کے آفس کے ایک ملازم اچانک ہارٹ فیل ہونے سے انتقال کر گئے۔ ان کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ سب ہی کہہ رہے تھے لڑکیاں بے آسرا ہو گئیں۔ وہ خود رو رو کر کہہ رہی تھیں۔ "ہمارے سر کا سائبان نہ رہا۔" حالانکہ دو بھائی جوان تھے۔ پورا خاندان لڑکیوں کے بے سائبان ہونے پر متردد اور متفکر تھا۔ رحمٰن صاحب دنیا کی زبان سے ڈر گئے۔

---

یوسف نیچے برآمدے میں آکر پڑھاتا تھا۔ تعلیم کے دوران بے حد سنجیدہ رہتا۔ سخت گیر استاد کی طرح پورے رعب سے پڑھاتا۔ غلطی پر ڈانٹتا نصیحت کرتا۔ جونہی چھٹی ہوتی۔ اس کے چہرے سے بردباری کا نقاب اتر جاتا۔ آنکھیں شوخ ہو جاتیں۔ مسکراہٹ پھوٹ پڑتی۔ اماں کے احترام اور ابا کے لحاظ سے وہ شرارت تو نہ کرتا مگر چھپکے چھپکے ایسے لطیفے سناتا۔ کہ ایاز کھلکھلا کر ہنس پڑتا۔ لڑکیاں بھی ہنسی پر قابو نہ پا کر زور سے ہنس پڑتیں۔ یوسف کے بات کرنے کا انداز ہی کافی دلچسپ تھا۔ اماں کو پڑھائی کے بعد چند منٹ اس کا بیٹھنا ناگوار ہوتا۔ اوپر سے شاگردوں کی ہنسی انہیں کھلتی۔

"ارے بیٹا! کچھ دیر تو اپنی ماسٹری کا رعب قائم رکھو۔ ادھر کتابیں بند ہوئیں کہ سب نے ٹھی ٹھی ہنسنا شروع کر دیا۔" ایک دن آواز کو حتی الامکان نرم کر کے وہ بول پڑیں۔

"کوئی بات نہیں خالہ جان!" اس نے [illegible] سے جواب دیا۔ "دو گھنٹے دماغ سوزی کر کے بچے تھک جاتے ہیں۔ چھوٹی سی تفریح ذہن کو تازہ رکھتی ہے۔ اور یہ تو بہت تمیزدار بچے ہیں۔ استاد شاگرد کے رشتے سے واقف ہیں۔" اماں کے ادھر ادھر جانے کے بعد چپکے سے بولا۔ "تمہاری امی سمجھتی ہیں میں ہمیشہ ماسٹر ہی رہوں گا۔ حالانکہ مجھے تعلیم تربیت کا یہ زمانہ بہت یاد آئے گا۔"

"تو کیا آپ ہمیں پڑھانا چھوڑ دیں گے؟"

"دعا کرو۔ مجھے اچھی سی سروس مل جائے پھر باقی تمام ٹیوشنز چھوڑ دوں گا۔ صرف تم لوگوں کو پڑھایا کروں گا۔ سر بن کر نہیں بھائی جان بن کر۔"

"سچ۔ وعدہ۔"

"وعدہ۔ مگر ایک شرط ہے۔ ایک چائے کی پیالی۔"

یوسف کو کئی ٹیوشنز مل گئی تھیں۔ دن پڑھاتے پڑھاتے گزرتا۔ شام کو وہ گھر آتا۔ اور ایاز کو پکار کر برآمدے میں جا بیٹھتا تھکن بے آرامی اور پریشانی چہرے سے جھانکتی پھر ندا یا صبا چائے ناشتہ۔ صبا خود اسے چائے دے آتی۔ ندا ہمیشہ چائے ماسی کے ہاتھ بھیجتی۔ اور اسے واضح فرق محسوس ہوتا۔ صبا کے ہاتھ سے چائے لیتے ہوئے وہ مسکرا کر کوئی پرلطف جملہ ادا کرتا۔ اس کی آنکھیں مزید شوخ ہو جاتیں۔ ندا کی بنائی چائے کی وہ بہت تعریف کرتا۔ آخر صبا کی تعریف کیوں نہیں کبھی کہتا۔

"مشہور و معروف چائے کی پتی کا بیڑہ غرق کر دیا نا!" یا کہتا: "آج اصلی بھی پتی کے ساتھ ڈال دی۔ خاصی کڑھی چائے ہے۔"

"برف کی چائے بنائی ہے؟"

مگر ندا کی بنائی چائے اسے بے حد لذیذ معلوم ہوتی۔ ہما، ندا کو ہر روز کی رپورٹ دیتی تھی۔ چائے پی کر وہ تازہ دم ہو جاتا۔ پھر اسے وقت کا اندازہ نہ ہوتا۔ اس کی مدھم دل خوش کن آواز کمرے کے گوشوں میں گونجنے لگتی۔ صحن میں لہراتی۔ اور کچن میں اس کے سُر تھرتھراتے۔ یہ آواز اس کے دل کے پردوں کو چھوتی ہوئی رگوں میں دوڑتے لہو کے ساتھ تیر جاتی۔ اور اس کے سینے میں خوشی اور تمنا کا غبار بھر جاتا۔ وہ اپنے آپ سے شرماتی۔ اور ہلکی سی آہٹ سے گھبراتی۔ اسے حیرت تھی کہ ابا اتنے اعتماد سے پہلی ملاقات کے بعد ہی یوسف کو گھر کے اندر کیوں لے آئے۔ وہ بے حد محتاط طبیعت کے انسان تھے۔ انہیں یوسف میں ایسی کون سی خوبی نظر آئی تھی؟ وہ تو کسی کا بھی بے محابا گھر کے اندر آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

پہلے چچا کا لڑکا پچھلے دنوں روزانہ آنے لگا تھا۔ وہ کالج سے لوٹ کر دفتر جاتا تھا۔ دفتر سے دادی سے ملنے کے بہانے روز آنے لگا۔ ابا کو اس کی آمد کھٹکی۔ کیونکہ منجھلے چچا خود بھی ادھر کا رُخ کم ہی کرتے تھے۔ ان کی بیوی تو سال کے بعد ہی شکل دکھاتیں۔ ظفر دفتر سے کئی سواریاں بدل کر دادی کے پاس آتا تھا۔ اس کا دفتر بہت دور تھا۔ بہت تھک جاتا۔ مگر صبا کے ہاتھ کی چائے پی کر بقول اس کے ساری تھکن اُتر جاتی۔ ایک دن ابا نے دادی سے کہہ دیا۔

"اماں! آپ چند دن کے لیے فرحان کے گھر ہو آئیں۔ ظفر کو آپ کی وجہ سے روز اتنی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ بیٹا ظفر! تم کل انہیں ساتھ لے جانا۔ میں گاڑی کا انتظام کر دوں گا۔"

اس دن کے بعد ظفر نے ادھر کا رُخ نہیں کیا۔ ایک روز صبا نے بتایا تھا کہ ظفر بھائی ملے تھے۔ انارکلی میں، مجھ سے پوچھا تھا آپ آئے نہیں دادی کو لینے؟" تو کہنے لگے۔ "دادی کو لے کر جا کر امی کی جوتیاں کھانے کا مجھے شوق نہیں۔ تمہارے ہاتھ کی چائے پینے آتا تھا۔" پلانے آیا۔ "بات وہ مجھے پہلے بتا دیتے نا۔ تو میں تو اتنی لذیذ چائے پلاتی۔ کہ ساری زندگی یاد رکھتے۔ افسوس وہ [illegible] میرے پاس رکھے رہ گئے۔ جو میں نے بڑی [illegible] ہونٹوں کے لیے اکٹھے کیے تھے۔"

---

بہار کے موسم میں بہت سی خوشبوؤں نے یلغار کر ڈالی۔ [illegible] پھول بن کر مہکنے لگے۔ ہوائیں بہکنے لگیں۔ ندا نے اچھے نمبروں سے بی اے میں کامیابی حاصل کی ابا [illegible] کے لیے کوشش شروع کر دی۔ یوسف کو [illegible] مل گئی۔ وہ بے حد مسرور اور مطمئن تھا۔ پھر اس نے دوسرا مکان کرائے پر لے لیا۔ اور وہیں شفٹ ہو گیا [illegible] ہوئی۔ ایک روز امی نے ندا سے کہا۔ "[illegible] پڑھنے کا مت سوچو۔ گھر بیٹھو آرام سے۔" صبا نے چڑ کر کہا۔ "امی اتنی زیادتی تو نہ کریں آپا کو [illegible] کا شوق ہے۔ پڑھنے دیں انہیں۔"

"[illegible] ہو جائے تو شادی مشکل سے ہوتی ہے۔ [illegible] شادی کرنا چاہتے ہیں۔" اماں کے پاس اس شادی کے سوا اور کوئی موضوع نہ تھا۔

"شادی۔ شادی۔" صبا چلا اٹھی۔ "ابھی آپا اتنی بوڑھی تو نہیں ہو رہی۔ کتنے شوق سے ایم اے میں داخلے کی تیاری کر رہی ہیں۔ آپ کو بہت شوق ہے تو میری شادی کر دیں۔ مگر للہ آپا پر ظلم نہ کریں۔ دیکھیے اماں۔ آپ کو بھی کتنی خوشی ہوگی۔ جب آپا ایم اے کی ڈگری لے کر آئیں گی۔ فخر سے سر اونچا ہو جائے گا آپ کا۔ ہمارے ہاں تو پورے خاندان میں کسی لڑکی نے ایم اے نہیں کیا۔"

"چپ رہو تم۔ بڑھ بڑھ کر بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔" اماں نے اسے جھڑک دیا۔ "مجھے فخر سے زیادہ اطمینان اور بے فکری چاہیے۔"

"ہونہہ۔ سارا اطمینان آپا کی شادی سے حاصل ہو جائے گا جیسے۔" وہ دیر تک بڑبڑاتی رہی اور جب ندا کو معلوم ہوا کہ اس کی شادی واقعی طے ہو گئی ہے تو وہ گم صم شفا کو دیکھنے لگی۔ صبا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔

"آپا! امی بیچاری بھی کیا کریں۔ چھ بیٹیوں کی فکر نے ان کو نیم جان کر دیا ہے۔ تم شادی کے بعد ضرور داخلہ لے لینا۔" شفا بھی اداس تھی۔

"پتا نہیں مجھے بھی پڑھنے دیں گی امی کہ نہیں۔ بس انہیں شادی کی جلدی ہے۔ آپا کو تو ابا کی حمایت حاصل تھی۔ پھر بھی ان کی نہیں چلنے دی امی نے۔"

ندا بالکل خاموش رہی اسے ابا کی بے بسی کا یقین نہ تھا۔ جب اسے مایوں بٹھایا گیا۔ تب بھی وہ مضطرب سی ایک ایک کو تکتی رہی۔ بہنیں اس کے گلے سے لپٹ کر رونے لگیں۔ صبا کے آنسو روانی سے بہتے رہے۔ جب دادی ان پر خفا ہونے لگیں اور اطمینان دلانے کی تسلی دے رہی تھیں کہ دو قدم آگے ہی تو بیاہ کر جا رہی ہے بہن۔ جب چاہو جا کر مل لیا کرنا۔ تب اسے پتا چلا اس کی شادی یوسف سے ہو رہی ہے۔ وہ ہکا بکا ہو کر شفا کو گھورنے لگی۔ جس نے بتایا تھا کہ اب یوسف کو مستقل بھائی جان کہا جائے گا۔

"یوسف!" اس نے بڑے پیار سے سوچا یوسف ثانی۔ صبا کتنے والہانہ انداز میں انہیں یوسف ثانی کہتی ہے۔ ایسا کیسے ہوا۔ وہ صبا کو۔ یا صبا انہیں پسند کرتی ہے۔ شاید دونوں ہی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ یہ غلط اندازہ نہیں۔ پھر یہ ممکن کیسے ہوا؟ اس نے تو اپنی چاہت دل کے

تاریک گوشوں میں چھپا رکھی تھی۔ مگر صبا کی پسند کا تو اسے خوب اندازہ تھا۔ کیا اسی لیے صبا نے امی سے کہا تھا۔ آپا کے بجائے میری شادی کر دیں۔ لیکن یوسف نے یہ کیسے منظور کر لیا؟ انہیں صبا پسند تھی تو اس کا ہاتھ کیوں نہ مانگا۔ ممکن ہے ابا نے، یا اماں نے بڑی کی موجودگی میں چھوٹی کی شادی کرنے پر تامل یا اعتراض کیا ہو۔ وہ بے بسی سے رونے لگی۔ رخصتی کے وقت بھی وہ رو رہی تھی۔ دہلیز پار کرنا مشکل ہو گیا۔ سسرال میں ساس، نندیں اس کی منتظر تھیں۔ یوسف بے انتہا سنجیدہ تھا وہ ندا کو اس طرح احتیاط سے سہارا دے کر گھر میں لایا جیسے وہ کانچ کی بنی ہو۔ یا وہ کوئی بلبلہ ہے جو ٹھیس لگنے سے پھوٹ جائے گا۔

اور اس کی یہ احتیاط قائم رہی۔ ندا حیران تھی، یوسف بظاہر خوش اور مطمئن نظر آتا تھا۔ مگر ندا کو اس کی خوشی کے اظہار پر شک تھا۔ اندر سے ٹوٹی ہوئی ٹہنی کی طرح مرجھا رہے ہوں گے۔ چہرے پر دل کی کہانی تو لکھی نہیں ہوتی۔ جیسے خود ندا اپنے چہرے کو سپاٹ بنانے میں کامیاب رہتی تھی۔ ایسے ہی یوسف بھی۔

اس کی شادی شدہ نندیں کب کی واپس جا چکی تھیں۔ ساس کو جب بھی گاؤں یاد آتا یا وہاں سے کوئی خبر آتی۔ وہ فوراً رخت سفر باندھ کر تیار ہو جاتیں۔ ان کے جانے سے ندا کو "تنہائی" کا احساس ہوتا۔ یوسف کے اصرار کے باوجود وہ صبا، شفا یا چچا کو بلا کر رکھنے اور دل بہلانے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ سوچتی تھی صبا کے دل میں یوسف کی محبت کا پودا قوت پانے سے پہلے کمزور پڑ چکا ہو گا۔ مگر قربت تو اسے پھر طاقت ور بنا سکتی تھی۔ یوں بھی، یہاں آ کر یوسف کا سامنا کر کے کہیں وہ اداس اور بے چین نہ ہو جائے۔ اس نے ایک روز ایسے ہی ساس سے پوچھا۔

"آپ کو صبا اچھی نہیں لگی تھی کیا؟ حالانکہ وہ تو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔"

"تم کیا کم ہو۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"مگر پھر بھی آپ نے صبا کو کیوں نہیں پسند کیا؟"

"ناپسند تو نہیں ہے وہ مجھے۔ مگر ہمارا رہن سہن ذرا دیہاتی ہے۔ اور صبا کچھ فیشن ایبل ہے۔ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی جوانی یاد آ جاتی ہے۔ میں بھی اسی طرح خوشی سے کام کرتی رہتی تھی اپنے گھر کے لیے اپنی طبیعت سے میل کھاتی لڑکی ہی تو چاہیے تھی مجھے۔"

"آپ نے شادی سے پہلے اپنے بیٹے سے تو پوچھا ہوگا؟"

وہ ہنسنے لگیں۔ "میرا بیٹا گستاخ یا نافرمان تو نہیں۔"

"پھر بھی۔ آپ نے پوچھا ہوتا۔ وہ صبا کا نام لیتے تب، کیا ہوتا؟"

"جو ہونا تھا۔ ہو ہی چکا۔" وہ پھر سوال کو ٹال گئیں۔ ندا کی الجھن بڑھ گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے پوچھا ہو بیٹے نے صبا کا نام لیا ہو۔ مگر اماں جان نے اپنی پسند ان پر ٹھونس دی ہو، کسی قسم کی دھمکی۔ یا زبردستی سے کامیاب ہو گئی ہوں۔

"صبا میں ابھی بچپنا ہے۔" ساس نے جو ندا کو سوچ میں غرق دیکھا تو سمجھیں کہ اسے صبا پر تنقید ناگوار گزری ہے انہوں نے تنقید نہیں کی تھی صرف اپنی رائے دی تھی۔ خیال ظاہر کیا تھا۔ "عمر کے ساتھ سمجھ آتی جائے گی۔ بڑی بہن کی موجودگی میں چھوٹی بہن خود کو چھوٹا ہی سمجھتی ہے۔ اب وہ خود کو بڑا محسوس کرتی ہوگی۔"

"اماں جان!" اس نے دل میں سوچا۔ "صبا کا بچپن کب کا گزر گیا۔ یوسف کو دیکھنے کے بعد ہی یوسف کے گھر میں آنے کے بعد۔ شاید اس کے دل پر ابھی تک ایک اسی نام کا قبضہ ہو۔ شاید اس کی دھڑکنیں اب بھی اسی نام کا ورد کرتی ہوں۔ یوسف ثانی، یوسف ثانی۔ یوسف ثانی کو بھلانا آسان نہیں۔" یہ وہ خوب سمجھتی تھی۔ یوسف کے دل میں کیا ہے۔ یہ وہ جان نہ سکی۔ شک نے اسے ہر بات کا منفی پہلو دیکھنے کی عادت ڈال دی۔ وہ ندا کو کتنا چاہتے ہیں۔ اس کا بھی اندازہ نہ کر سکی۔ یوسف کی آنکھوں اور رویے سے جو ملائمت اور محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ اس کا یقین نہ کر سکی۔

وہ ایک بچی کی ماں بن گئی۔ اور بچی نے اسے بہت سی فکروں سے بے نیاز کر دیا۔ یوسف کو اس ننھے فرشتے میں اپنا عکس نظر آتا۔ دفتر سے آ کر وہ اسے گھنٹوں گود میں لیے بہلاتا رہتا۔ کسی نے کہا وہ ندا سے ملتی ہے کسی نے کہا اس کی مسکراہٹ بالکل صبا جیسی ہے۔ بال بھی گھونگھر والے صبا جیسے تھے۔ ایک دن یوسف نے بڑے پیار اور محبت سے کہا۔

"اب تو تم مہر کی وجہ سے اور بھی پیاری ہو گئی [illegible] بیٹی کی ماں میری جان ہے۔ میرا جہان ہے۔"

[illegible] کے دل میں کانٹا سا چبھ گیا۔ "بیٹی کی وجہ سے [illegible] وہ پیاری ہے۔ ورنہ۔" دل کی بات زبان [illegible] پہلی محبت کہاں بھول پائے ہوں گے۔ وہ [illegible] چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ اسے یوسف کی باتیں [illegible] پھیکی چھچھوری لگیں۔ بناوٹی۔ ظاہر داری کی [illegible] آدمی کس قدر مکار ہوتا ہے۔ دل میں کچھ [illegible] دل میں ناکامی کا دھواں اٹھ رہا ہو۔ ہونٹ [illegible] زبان پر شیریں الفاظ کی چاشنی ہو۔ یہ دوغلاپن [illegible] لوگ کیسے برداشت کرتے ہیں۔ رحمن صاحب [illegible] نفرت تھی۔ وہ سب کو ہمیشہ سچ بولنے کی [illegible] تھے۔ سیدھی صاف بات انہیں پسند آتی [illegible] جھوٹ کی زندگی گزارنی پڑ رہی تھی۔ یہ بات اگر [illegible] والدین کو بتا دے تو کوئی اس پر یقین نہ کرے۔ [illegible] کے حالات پر ہی متعجب اور ہراساں تھا [illegible] اب اسی قسم کے حالات سے دوچار تھی۔ پتا [illegible] کے جذبات کیا تھے؟ ندا جب بھی ابا کے گھر [illegible] کی ہوتی۔ اور جب صبا کالج سے آتی تو [illegible] واپسی میں اسے لینے آ جاتا اور اماں [illegible] ٹھہرنے کی درخواست کرنے پر بھی وہ [illegible] نہیں چاہتی تھی کہ صبا اور یوسف کو ملنے کا [illegible] صبا کے جذبات سے آگہی نہ ہونے سے [illegible] تھی۔

یوسف کے سلوک میں کوئی خامی نہ تھی۔ وہ ندا کی [illegible] کرتا تھا۔ اس کے آرام کا خیال رکھتا تھا مگر [illegible] اور مذاق کا انداز جو صبا، شفا اور ریاض [illegible] کے ساتھ جوڑ دیا تھا اس کا عشر عشیر بھی [illegible] اظہار نہ کرتا۔ اس کا جی چاہتا وہ ریاض اور [illegible] اس سے بھی مزاحیہ انداز میں گفتگو کرے اس [illegible] مذاق اڑائے۔ ندا کے کسی کام پر تنقید [illegible] لگتا تھا کہ رحمن صاحب کے گھر جو یوسف [illegible] قہقہے لگاتا اور سب کو اپنے مذاق اور [illegible] ہنستا ہے، کوئی دوسرا یوسف ہے۔ اور [illegible] سے واسطہ پڑتا۔ یہ یوسف انتہائی سنجیدہ [illegible] تھا۔ جو ندا کے احساسات پر برف جما [illegible] اور وہ [illegible] کے جانے میں الجھ جاتی۔ یوسف کی شخصیت میں یہ کیسا تضاد تھا۔ اس نے اپنی محبت کو پانے کی کوشش کیوں نہ کی؟ اس سوال کا جواب اسے کبھی نہ ملا۔

چمن چاچا نے جھوٹ کی زندگی سے نباہ کرنے کی کوشش کی تھی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ کئی سال گزرنے کے باوجود۔ ان کو جس لڑکی سے محبت تھی۔ وہ ان کے والدین کے معیار کی نہ تھی۔ اور یہ بھی سچ تھا کہ اس محبت سے پہلے ہی وہ اپنی ایک کزن سے منسوب کیے جا چکے تھے، اب والدین کی زبان، خاندان کی آن اور لڑکی کے باپ کے وقار کا سوال تھا۔ چمن چاچا روئے گڑگڑائے خوشامدیں کیں۔ مگر خاندان کے دباؤ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اور کزن ان کی دلہن بن کر آ گئی۔ چمن چاچا نے بیوی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ جدھر اشارہ کرتی چل پڑتے۔ جو کہتی کر گزرتے۔ ایک معمول کی طرح۔ ان کے چہرے کی وہ بے ساختہ مسکراہٹ نوچ لی گئی تھی۔ کسی نے شادی کے بعد ان کو قہقہہ لگاتے نہیں سنا۔ چمن چاچا اپنی خوش مزاجی کی بدولت مشہور تھے مگر شادی کے بعد وہ بجھے چراغ کی مانند ہو گئے۔ دادی کو ان پر بہت ترس آتا۔ وہ دادی کے بہت لاڈلے بھتیجے تھے۔ امی تو ان پر تنقید کرتی رہتی تھیں کہ وہ اتنے کمزور اور دبو سے کیوں ہیں۔ محبت کی تھی۔ گناہ نہیں۔ اگر انہیں سچی محبت تھی تو کیوں نہیں انہوں نے ماں باپ کی زیادتی کا مقابلہ کیا۔ لولے لنگڑے نکھٹو نہ تھے۔ ماں باپ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ جب بھی چمن چاچا گھر میں دادی سے ملنے آتے امی انہیں شرمندہ کر دیتیں۔

"چمن! تمہاری بیوی کچھ ہے کہ خاندان والوں نے جو زبردستی اسے تمہارے سر منڈھا ہے تو اس میں کوئی بیش بہا لعل لگے ہیں۔ ارے دماغ درست کیوں نہیں کرتے تم اس کا۔ خوشامد میں لگے رہتے ہو۔ ایں؟"

"بھابی! یہ نہ کروں تو جینا محال ہو جائے۔ طبیعت پر جبر کر کے اب تو عادی سا ہو گیا ہوں۔"

"تو اپنا حق بھی استعمال کرو۔ کم از کم وہ تمہاری عزت تو کرے۔ ہر کسی کے آگے ذکر لے کر بیٹھ جاتی ہے۔"

"عزت؟ اور میری؟ وہ تو میرے والدین نے خود ہی ان کے قدموں میں بچھا دی تھی۔ پہلے دن ہی انہیں باور

کرا دیا گیا کہ وہ مختار ہیں۔ میرے ساتھ جیسا چاہے سلوک کریں۔ میں تو ڈرتا ہوں کہ میری سیدھی حرکت بھی انہیں ٹیڑھی نہ لگے۔ اسی لیے انہیں نظر کا چشمہ لا کر دیا ہے۔"

"ڈرتے ہو اسی لیے وہ سر چڑھتی جا رہی ہے۔ اسے اپنے ایک لاکھ کے مہر کا بھی بہت غرور ہے۔"

"آپ تو جانتی ہیں۔ شادی کے وقت بھی میں نے مہر پہ اعتراض کیا تھا کہ میری اتنی حیثیت نہیں کہ ایک لاکھ کا مہر کبھی بھی ادا کر سکوں۔ اس پر ابا جان نے فرمایا کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ یعنی مجھے باندھے رکھنے کے لیے سنہری سکوں کی زنجیر کا اہتمام خود میرے والد ماجد نے کیا۔ تو اب۔"

"چھوڑو چمن! عزت قائم رکھتے ہیں مہر کا کوئی قصور نہیں۔ نہ تمہارے ابا جان کا۔ انہوں نے اپنے خیال میں تمہاری بہتری کا انتظام کیا تھا۔ مگر عزت گنوانے میں تم نے پہل کی۔ کیوں اس قدر کی خوشامدیں کرتے ہو بیوی کی۔ کبھی اسے بھی موقع دو کہ وہ تمہاری خدمت کرے۔ خیال کرے۔ تم اس کی عزت کرو، وہ تمہاری کرے۔ سر کا تاج نہیں تو برابر کا آدمی ہی سمجھے۔ نہ کہ ہر وقت۔ ذلت آمیز سلوک۔ اور تم پھر بھی اسی کی چاپلوسی۔ کمال ہے۔ تم کو غصہ بھی نہیں آتا۔"

"آتا ہے بھائی۔ مگر کیا کروں۔ بہت مضبوط بہت ظالم زنجیروں میں جکڑ گیا ہوں۔" چمن چاچا بے حد مایوس اور دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔

مگر جھوٹ کی زندگی نے زیادہ دن ساتھ نہیں دیا۔ شاید زنجیریں زنگ آلود ہو گئی تھیں۔ اور چمن چاچا میں قوت لوٹ آئی تھی۔ انہوں نے زنجیریں توڑ ڈالیں۔ گو اس میں ان کی بہادری کا ہاتھ نہ تھا۔ جو ان کے بس میں تھا وہی انہوں نے کیا۔ یعنی ایک دن گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ شاید وہ بھی موقعے کی تلاش میں ہی تھے۔

دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس دن چند مہمانوں کے سامنے بیوی نے چمن چاچا کی زبردست توہین کی۔ چمن چاچا جلال میں آ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"اگر تمہارا یہی سلوک رہا تو میں گھر میں نہیں رہوں گا۔"

بیوی نے غرور سے کہا۔ "نہ رہو۔ تم نے کب سے محبت اور عیش کے ہنڈولے میں بٹھا رکھا ہے۔ تمہارے بغیر بھی میں چین کی زندگی گزار سکتی ہوں۔ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔"

چمن چاچا اسی وقت گھر سے نکل گئے۔ لوگوں نے انہیں اس اقدام پر حق بجانب سمجھا۔ اور بیوی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ خاندان کے سب لوگ چمن چاچا کے ہمدرد بن گئے۔ ان کے والدین بھی چپ کے چپ رہ گئے۔ دیکھ رہے تھے کہ بہو نے پیر زیادہ ہی پھیلا لیے تھے۔ پھر بہو نے معافی تلافی کے امکان کو بھی رد کر دیا اور کہا۔

"جو اول دن سے میرے قدموں کی دھول بنا رہا۔ اسے سر کا تاج کیسے سمجھتی۔ یہ تو خاندان والوں کی غلطی تھی جسے میں نبھانا نہیں چاہتی۔ جب اسے مجھ سے لگاؤ نہیں۔ تو میں کس طرح محبت کر سکتی ہوں۔" اس نے مہر کا نہیں خلع کا دعوا کر دیا۔ اور چمن چاچا سستے چھوٹے۔ اب دونوں الگ الگ اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ چمن چاچا کو ان کی محبت مل گئی۔ بہت قابلِ رشک زندگی ہے اب ان کی۔

ندا کے دل میں کانٹا سا چبھا رہتا۔ یوسف اسے نہ بھی چاہتے ہوں۔ تب بھی۔ وہ تو یوسف سے محبت کرتی ہے۔ ان کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یوسف بھی جب تک دل کی بات اس سے چھپائے ہوئے ہیں۔ اپنی محبت کو مصلحت کے پردوں میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ تب تک جھوٹ کی یہ خوش رنگ تتلی آزاد رہے گی اور جونہی جذبات بے قابو ہوئے۔ برداشت میں کمی ہوئی۔ سچ ایک کوڑیالے ناگ کی طرح پھنپھناتا باہر آئے گا اور ندا کی محبت کو ڈس لے گا۔ اندر کے شور سے ڈر کر ندا نے کان بند کر لیے۔ آنکھیں میچ لیں اور بستر پر گر کر رونے لگی۔

"او خدا مدد کر۔ میں بے قصور ہوں۔" پاس لیٹی مہرو نے رونا شروع کر دیا تو وہ اٹھی۔ اوہ۔ ناامیدی کی تو کوئی بات نہیں۔ ابھی اس کے پاس مہرو کا مہرہ موجود ہے۔ ذہن پر چھائے اندیشوں کا غبار ہوتے ہوئے صاف ہونے لگا۔

رات ہو گئی اور یوسف نہیں آیا۔ ندا کو پریشانی ہو رہی تھی۔ وہ کبھی بغیر بتائے نہ کہیں جاتا تھا نہ دیر رات تک باہر رہتا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا اس لیے زیادہ ہی فکر تھی۔ وہ پریشانی میں ٹہلنے لگی۔ رات گیارہ بجے وہ دبے پاؤں گھر میں آیا۔ ندا کو ٹہلتا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پھر



شرمندگی کے اظہار میں اس کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"اوہ دیر ہو گئی۔ معاف کرنا۔"

ندا خاموشی سے کھانا لے آئی۔ کھانا کھاتے ہوئے یوسف نے سر اٹھا کر ندا کو دیکھا۔ اس کے احساس سے آگاہی حاصل کرنا چاہی مگر ناکام رہا۔ ندا جب چاہتی چہرے کے تاثرات کو سپاٹ دیوار میں تبدیل کر لیتی تھی۔

"تم پوچھو گی نہیں۔ یہ وقت میں نے کہاں گزارا۔"

"کہیں اچھی جگہ ہی گزارا ہو گا۔" ندا نے ایک آہ سینے کے اندر دبا لی۔

"اعتماد بہت اچھی چیز ہے۔ بے حد ضروری مگر" یوسف نے مسکرا کر کہا۔ "نہ اتنا کہ کبھی خیر خبر رکھنی چاہیے۔ کہیں شوہر کو کسی نے اڑا تو نہیں لیا۔ قبضہ تو نہیں کر لیا۔"

"مجھے شوہر پورا ملا ہی کب ہے۔" اس کے دل نے چیخ کر کہا۔

"شام کی ایک نوکری مل گئی ہے۔" یوسف نے اس کے دل کی آواز سننے کی کوشش نہیں کی۔ "اب تو روز ہی دیر سے آیا کروں گا۔ فکر مند نہ ہونا۔ مجبوری ہے۔"

"ملازمت کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"تم کو اندازہ نہیں، ہمارا خرچ اب بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس کے لیے کچھ تو کرنا ہو گا۔"

"تو ہم کفایت سے کام لے لیتے۔"

"کفایت کب تک۔ ندا میں نہیں چاہتا کہ تم کو تکلیف ہو۔ اور تمہارے والد اپنے اس انتخاب پر پچھتائیں۔ میں ان کی توقعات پر پورا اترنے کا عزم کر کے ہی تم سے شادی پر رضامند ہوا تھا۔ ورنہ ابھی ہمارے حالات میری شادی کے قابل تو نہ تھے۔"

ایک اور کانٹا چبھ کر اسے بے چین کر دیا تھا۔ "عزم کر کے ہی تم سے شادی پر رضامند ہوا تھا۔" اس کو جملہ بار بار ڈستا رہا اور وہ زخمی ہوتی رہی۔ ابا نے کوئی دھمکی دی تھی؟ کوئی وعدہ لیا تھا؟ توقع پر پورا اترنے کے عزم کے ساتھ مجھ سے شادی کی تھی۔ وہ توقع کیا تھی۔ میرے ساتھ روادارانہ سلوک کرنے کی۔ مجھے خوش رکھنے کی۔

"دراصل تم نے ایک آسودہ گھرانے میں پرورش پائی ہے۔ تم اس زندگی کی عادی ہو۔ اور میں نہیں چاہتا تمہیں کبھی کسی قسم کی تکلیف ہو اور تم شادی کو تکلیف سمجھو۔" وہ ندا کے خیالات سے بے خبر اپنی صفائی پیش کرتا رہا۔ "یوں بھی میں خود کو تمہارا مجرم سمجھتا ہوں، تمہاری تعلیم کے راستے میں رکاوٹ بن کر میں نے خود تمہاری ناراضگی خرید لی۔ ہے نا۔ یہی بات ہے؟"

ندا چپ رہی۔ اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔ جذبات ایسے موقعے پر شل ہو گئے تھے۔ زبان گنگ کر وہ نہ اس کی بات کی حمایت کر سکی نہ مخالفت۔ اب یوسف روز رات کو گیارہ بجے آتا۔ ندا کو اس کے انتظار میں جاگنا پڑتا۔ خود یوسف کو آرام کا موقع نہ ملتا۔ دفتر سے دوپہر کو آتا۔ اور کچھ دیر بعد ہی شام کی ملازمت پر جانا پڑتا۔ اس کی اماں بار بار کہتیں۔

"ارے بیٹا! اتنی محنت نہ کرو۔ بیمار ہو جاؤ گے یوسف۔ تھک جاؤ گے۔ تمہاری تو نیند بھی پوری نہیں ہوتی۔ دفتر کی صبح کی نوکری کیسے نبھاؤ گے۔ بیٹا طاقت سے زیادہ محنت کرنے سے انسان بہت جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔"

"اماں جی! میں یہ محنت اپنی بیٹی کے لیے کرتا ہوں کہ اسے میرے گھر میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ میں اس کی پرورش اعلیٰ پیمانے پر کرنا چاہتا ہوں۔"

"ارے بدھو۔ اولاد کے لیے ماں باپ کی چھاؤں ہی کافی ہوتی ہے۔ ماں باپ کا وجود ہی وہ اعلا پیمانہ ہے۔ جو اسے تحفظ دیتا ہے۔ پگلے کیا روپیہ پیسہ کسی کی محرومی دور کر سکتا ہے۔ اب تم کو اتنا وقت بھی نہیں ملتا کہ بچی کے ساتھ بات کر سکو۔ دوپہر کو آتے ہو تو سوتی ہوتی ہے۔ رات کو تمہارے آنے سے پہلے سو جاتی ہے۔ صبح جاتے وقت تم اتنا مصروف ہوتے ہو کہ اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ کیا یہی وہ اعلا پیمانہ ہے۔ یہ پرورش کا کونسا انداز ہے۔ بتاؤ تو۔"

ندا چونک گئی۔ اماں جی سچ کہہ رہی تھیں۔ رات کو یوسف اس قدر تھکا ہوا ہوتا کہ سوائے بستر پر لیٹ کر سو جانے کے اس کی کوئی خواہش نہ ہوتی۔ خواہ زبانی سہی۔ وہ ندا کے حسن و جمال کو، اس کی کاوشوں اور رویے کو تو سراہتا تھا اسے تسلی تو رہتی تھی۔ وہ اپنے حسن کے جال میں یوسف کو قید رکھ سکتی ہے۔ مگر۔ اب۔ اب تو اسے آرام کرنے اور سو جانے کے سوا کسی بات کا

خیال نہ آتا۔

کسی خلش، کسی محرومی کے احساس سے ندا کو زندگی میں تشنگی محسوس ہونے لگی۔ کیا یوسف اس سے دور جا رہا تھا؟ شام کو اس ملازمت میں چھٹی نہیں تھی۔ دفتر سے چھٹی کے دن وہ رات ہی ندا سے کہتا۔

"مجھے سویرے جگا دینا۔ تمہارے ابا کی طرف چلیں گے۔ دن بھر وہیں رہیں گے۔" مگر صبح کو وہ اتنا بے خبر سویا ہوا ہوتا کہ اس کی نیند پوری ہو جانے کے خیال سے ندا کو جگانے کی ہمت نہ ہوتی۔ بعد میں وہ شکوہ کرتا کہ اسے کیوں نہیں جگایا۔ مہینہ مہینہ ہو جاتا اور ندا کو میکے جانے کا موقع نہ ملتا۔ کبھی کبھی اماں ابا ملنے آجاتے۔ کبھی سب لوگ آجاتے اور یوسف سب کے درمیان راجہ اندر بن کر بیٹھ جاتا۔ پھر وہ لطیفے سناتا اور باقی سب قہقہے لگاتے۔ اماں اپنی سمدھن کے پاس مہرو کو گود میں لے کر بیٹھ جاتیں۔ اور الگ باتیں کرنے لگتیں۔

---

اس دن بھی سب آئے تھے۔ ابا بھی ان کے بیچ میں بیٹھے سالیوں اور داماد کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ زور سے ہنس پڑتے۔ "بھائی جان آپ نے تو ہنسا ہنسا کر ہمیں تھکا دیا۔" ہما نے پیٹ پکڑ کر کہا۔

"بھائی جان! آپ ابا کو بھی اتنا ہنساتے ہیں؟ بیچاری آپا کو تو بہت مشکل ہوتی ہو گی۔" نعیمہ نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔ "وہ لطیفے سن سن کر ہنس رہی ہیں۔ اور ان کی ہانڈی چولہے پر پڑی پڑی کوئلہ بن رہی ہے۔"

"ارے توبہ۔" یوسف نے آہستہ سے کہا۔ "میری مجال کہاں کہ تمہاری آپا کو ہنسانے کی جرأت کروں۔ میں تو ان کے سامنے کانپتا رہتا ہوں۔ یا دم سادھے گم سم بن کر بیٹھ جاتا ہوں۔"

"آپا! ادھر آؤ نا۔" شفا نے ندا کو کچن میں مصروف دیکھ کر آواز لگائی۔ "ہو گی چائے والے، کتنے دن بعد تو ملنا ہوا ہے۔" ندا چائے لے کر آئی۔ تو صبا نے سب کو پیالیاں بنا بنا کر دینا شروع کر دیں۔

"یوسف بھائی! آپ کی پیالی میں کتنی چینی؟" صبا نے پوچھا۔

"ارے تم تو ایسے ہی دے دو گی تو وہ مجھے میٹھی لگے گی۔" یوسف نے کہا۔

"واہ واہ۔ وہ کیوں۔ پہلے تو آپ کو میرے ہاتھ کی چائے میں کڑواہٹ اور مرچیں لگتی تھیں۔" صبا نے جواب میں کہا۔

"مگر تمہاری آپا کی چائے تو کڑوی نہیں ہوتی۔" یوسف نے ندا کو ترچھی نظر سے دیکھ کر کہا۔

ابا نے ندا کو گلے لگا کر پیار سے کہا۔ "میری بیٹی بہت محنتی ہے۔ اور محنت کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے۔ عنقریب اسے پھل ملنے والا ہے۔" ندا کو ابا کی قربت سے ایک تسکین سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی محنت کو سراہنے والی ہستی، اسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہنے والی شخصیت۔ وہ ان کے کندھے سے سر ٹکا کر چند لمحے پرسکون انداز میں کھڑی رہی۔ شام کو سب منجھلے چچا کے گھر جانے کے ارادے سے نکلنے لگے تو صبا نے کہا۔

"آپا! تم بھی چلیں۔ کتنے دن سے ہم سب بمطلب تم سمیت ہم کہیں نہیں گئے ہیں۔"

ندا شاید چلی جاتی۔ مگر مہرو کو کھانسی ہو رہی تھی۔ اور اس کی ساس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ دل پر جبر کر کے رہ گئی۔ اگر مہرو کی کھانسی بڑھ جاتی تو وہ رات کو تنگ کرتی اور یوسف کی نیند خراب ہوتی۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی یوسف بھی اپنی شام کی ملازمت کے لیے چلا گیا۔ بعد میں ندا نے برتن سمیٹے۔ گو کہ شفا، صحیٰ نے جلدی جلدی دھو ڈالے تھے پھر بھی کچھ باقی تھے۔ مہرو کے لیے جوشاندہ بنایا۔ ساس کو دوا کھلائی۔ رات کا کھانا پکا کر تیار کیا۔ اور سب کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ حیرانی سے یوسف کو دیکھنے لگی۔ بے وقت یوسف عرصے سے نہیں آتا تھا۔ اس کی آمد کا وقت تو رات گیارہ بجے تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ کیوں بے وقت کیوں۔ وہ کچھ افسردہ اور متفکر نظر آرہا تھا۔ ندا ڈر کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ پھر اس سے بیٹھا بھی نہ گیا۔ اور وہ کھڑی ہو گئی۔

"کیا۔ کیا بات ہے۔ آپ اتنی جلدی؟"

یوسف نے اسے بغور دیکھا۔ قریب آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹھ جاؤ آرام سے اب میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں۔ بے حوصلہ نہ ہونا۔"

ندا کا رنگ اڑ گیا۔ کانپتے دل نے پیش گوئی کر دی۔



"اب وہ ایسی بات کہنے والے ہیں۔ جو۔ جو تیری دنیا کو تہ و بالا کر دے گی۔ آج۔ آج ہی انہوں نے صبا کے ... شیرینی کا اظہار کیا تھا۔ اب اس کی ذات میں ایسی ہی شیرینی۔ کیا وہ۔ کیا تم مجھے۔ کیا مہرو میت ... ہیں۔"

وہ دھک دھک کرتے دل سے ادھوری باتیں کرتی رہی اور اسے کسی جملے کا جواب نہ ملا۔ سوائے اندیشوں کے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آنکھیں پھاڑ کر یوسف کو تکنا شروع کر دے یا نظر جھکا کر اس کے زہریلے جملوں کو خاموشی سے سنے۔ یا دل میں بھرے غبار کو آنکھوں کے راستے بہا دے۔

مگر یوسف نے جب بولنا شروع کیا۔ اس نے جو بات اس کو بتائی۔ وہ اتنی حیران کن۔ اتنی اجنبی ناقابل یقین تھی کہ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"نہیں نہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ ہکلا کر بولی۔ "نہیں نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کا شعور کہہ رہا تھا یہ ہو سکتا ہے۔ مگر وہ کیسے مان لیتی۔ "ابھی شام کو تو سب ... ہو سکتا ہے۔"

"ہاں ابھی شام کو تو سب یہاں سے گئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ ہی گھر سے نکلا تھا۔"

یوسف بھرے گلے سے اپنی ہمت کو سہارا دے کر بتا رہا تھا۔ "میں ان کے ساتھ تھا۔ امی ایاز کے ساتھ چلی گئیں۔ اور میرے سامنے جب وہ لڑکھڑائے تو میں نے سنبھالا تھا۔ اور پھر ہم ہاسپٹل کی طرف دوڑے۔" "پھر ... پھر کیا ہوا۔ بتائیے۔" وہ چیخ پڑی۔ اس کی ساس کمرے میں آگئیں۔ ندا نے فریادی نظروں سے ان کے ... اور چیخنے لگی۔

"اماں جی! دیکھیے ابھی شام کو تو سب یہاں آئے تھے۔ اماں ابا اور سب لوگ۔ آپ نے بھی دیکھا تھا ...؟" وہ یوسف کا گریبان پکڑ کر کھینچنے لگی۔

"اس نے ایسی بات زبان سے کیوں نکالی۔" بمشکل یوسف اپنی ماں کی مدد سے ندا کو سنبھال کر باہر لایا۔ ٹیکسی ابا کے گھر کے سامنے رکی۔ تو محلے والوں کا جمگھٹا ... کی چیخیں نکل گئیں۔ صحن میں ایک پلنگ پر اس کی ہستی اس کا سرمایہ حیات اس کو چاہنے سراہنے والی ہستی محو خواب تھی۔ ندا لہرا کر زمین پر گری۔ سب بہنوں نے اسے گھیر لیا۔

"ابو۔ میرے ابو جی۔ ابو کو جگاؤ۔ ہٹو میرے سامنے سے۔ میں اپنے ابو کو خود جگاؤں گی۔" ندا ہوش میں آکر پھر پاگلوں کی طرح چیخنے لگی تھی۔ بمشکل اسے قرار آیا۔ مگر رہ رہ کر وہ چونک اٹھتی۔ اور صحن میں بھاگتی۔ پلنگ کی پٹی پر سر مارتی۔ اور اسے پکڑ کر کمرے میں لایا جاتا تو وہ بے بسی سے کہتی۔

"اچھا۔ کیا میں غیر ہوں؟ تم مجھے ابو سے بات بھی نہیں کرنے دیتے۔"

کوئی اسے سمجھاتا۔ کوئی پڑوسن کوئی رشتے دار خاتون اسے صبر کی تلقین کرتی۔ اور وہ گردن ہلا کر کہتی۔ "اچھا اچھا اچھا۔" اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیوں اسے پکڑتے ہیں۔ اسے کچھ کرنے کیوں نہیں دیتے۔ اس کے دل میں جو آگ لگی ہے۔ اسے بجھاتے کیوں نہیں۔

"امی اور ایاز تو گھر چلے گئے۔ ابا نے یوسف بھائی سے کہا۔ "بیٹا! تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ سب کو شکایت ہے کہ تم اور ندا بہت کم کسی سے ملتے ہو۔" صبا، ندا کو شام کا واقعہ سنانے لگی۔ "یوسف بھائی ہمارے ساتھ آگئے۔ ہم منجھلے چچا کے گھر شاید آدھا گھنٹہ بیٹھے ہوں گے کہ ابا کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ منجھلے چچا موجود نہیں تھے۔ ہم فوراً باہر آگئے۔ ابا کا رنگ اچانک سفید ہونے لگا۔ وہ زمین پر گرنے لگے۔ بھائی جان نے انہیں سنبھالا۔ بھائی جان نہ ہوتے تو کیا ہوتا آپا!" شفا ندا کو بازوؤں میں لیے آہستہ آہستہ بتا رہی تھی۔

"ابا کو شاید پہلے سے خبر ہو گئی تھی۔ کچھ ہونے والا ہے۔" نعیمہ، صبا کے کندھے پر سر رکھے لیٹی تھی۔ اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں، آواز بیٹھ گئی تھی۔ شاید وہ چیخیں مار کر روتی رہی تھی۔ "اس ہفتے وہ تقریباً تمام عزیزوں سے مل کر آئے تھے۔ دادی کے پاس گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ ان کے ہاتھوں پر خود تیل کی مالش کرتے سر دباتے۔ ہم سب کو گھیر کر دادی کے پاس ہی بیٹھے رہتے۔"

"پھر۔ پھر کیا ہوا شفا؟ تم بتاؤ نا۔ بتاؤ نا پھر کیا ہوا؟ کیا میرے ابو کو بہت تکلیف تھی؟ کیا وہ چیخے چلائے تھے؟ وہ کیا کہہ رہے تھے مجھے بتاؤ نا۔" ندا مضطرب ہو کر تیز تیز لہجے میں بولنے لگی۔

''نہیں آپا۔ وہ تو بولے ہی نہیں۔ مگر جب انہیں ہچکی
بیں لگ گئی۔ بھائی جان انہیں سنبھال کر سہارا دے کر
بیٹھے۔ صبا آپی بازو پر ان کے پیروں کو گود میں لیے
بیٹھی تھیں۔ ابا کچھ بولتے تو آپی انہیں دلاسا دیتیں ''ابا
سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابا جو آپ چاہتے ہیں وہی
ہوگا۔ آپ بولیے مت۔ تکلیف بڑھ جائے گی۔ ابھی
ہم ڈاکٹر کے پاس چل رہے ہیں۔ اگر وہ اجازت دے
تو پھر آپ بولیے گا۔'' ابا کا سانس کبھی تیز ہو جاتا کبھی
بے آواز۔ ہم چاروں اگلی سیٹ پر دم سادھے بیٹھے تھے۔
مجھے رونا آرہا تھا مگر ڈر لگ رہا تھا کہ ابا سن کر انہیں اور
بھی تکلیف نہ ہونے لگے۔ ورنہ امی سمجھ گئی تھیں کہ
''ہاسپٹل میں کھڑے کھڑے ایک گھنٹہ ہو گیا۔'' سمی
شفا کی بات کاٹ کر بتانے لگی۔ ''ہم رونے لگتے تو آپی
ہمیں لپٹا کر تسلی دیتیں۔ پھر بھائی جان نے کہا چلو میں
تم سب کو گھر چھوڑ آؤں۔ ابا دل تو نہیں چاہتا تھا ابا
کو چھوڑ کر جائیں۔ مگر وہ تو اندر تھے۔ اور۔ امی کو بھی
بتانا ضروری تھا۔ دادی کے خیال سے بھی ہم گھر آگئے۔
اور بھائی جان امی کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ ہم دادی
کے پاس بیٹھے رہے۔ وہ قرآن شریف پڑھتی رہیں۔ دعا
مانگتی رہیں۔''
امی کے آنے کے بعد ڈاکٹر نے بتایا۔ زبردست
ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔''
صبا کا چہرہ دھلا دھلا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی
بالکل سفید ہو رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکنے میں بھی تامل کر رہی
تھی۔ اسے رونا نہیں آرہا تھا۔ شاید اسے صبر آگیا تھا۔'' اور
آپا اتنا اپنے ناخنوں پر نظر جمائے آہستہ آہستہ بول رہی
تھی۔ ''امی کے آنے سے پہلے جب ہاسپٹل میں اکیلی تھی۔
مجھے اتنا ڈر لگ رہا تھا۔ سفید لباس میں گھومتی ہوئی
نرسیں موت کے ہرکارے اور ڈاکٹر موت کے فرشتے
لگ رہے تھے۔ میں بار بار توبہ کرتی تھی اور بار بار جی
چاہتا تھا بھاگ کر اندر جاؤں۔ اور اپنے ابا کو ان کے
چنگل سے بچا لاؤں۔ جب امی اور یوسف بھائی کے ساتھ
آگئیں۔ تو میں برداشت نہ کر سکی۔ اور میں نے یوسف
بھائی سے کہا۔
''آپ ابا کو لے آئیے۔ ہم گھر پر ان کا علاج کرا لیں
گے۔''

صبا نے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔ اور انگلیوں سے
دری کے دھاگے نوچنے لگی۔ وہ بے حد قوت برداشت
سے کام لے رہی تھی۔ بولنے میں اس کی آواز بھی اس
کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ پھر وہ بے چینی سے
سر اٹھا کر بولی۔
''اوہ۔ مجھے تو بہت سے کام کرنے ہیں۔ اور کتنے
اطمینان سے بیٹھی ہوں میں۔'' وہ اٹھ کر صحن میں چلی گئی۔
اور ابا کے پلنگ کے پاس سر جھکا کر بیٹھ گئی جیسے ان
سے مشورہ کر رہی ہو۔ صبا نے تحمل اور ضبط کے ساتھ
اپنی بہنوں اور بھائی اماں اور دادی کو تسلی دلاسے کے
بھرپور عمل کا مظاہرہ کر کے سب کو حیران کر دیا۔ وہ یوسف
کے ساتھ ہر کام میں شریک رہی۔ اور گھر کی کل ذمے داری
اس طرح نبھائی کہ سب عش عش کر اٹھے۔ دادی نے
اس سے کہا بھی۔
''بیٹی تم تھک گئی ہوگی۔ ذرا لیٹ جاؤ۔''
''دادی! ہاسپٹل جاتے ہوئے ابا نے مجھ سے کہا
تھا ''صبا اب تم ہی گھر کی بڑی ہو۔'' اس نے آہستگی سے
کہا۔ جنازہ اٹھنے کے ساتھ ہی شور قیامت اٹھا۔ تب بھی وہ
بے قرار ہو کر روئی نہ تڑپی بلکہ ویران خشک آنکھیں لیے
جنازے کے ساتھ ساتھ سڑک تک گئی۔ پھر انگلی اٹھا
کر اس نے کہا ''فی امان اللہ۔''
اور اندر آگئی۔ روتی تڑپتی بہنوں کو گلے لگا کر پیار
کیا۔ ندا کو لپٹا کر دلاسا دیا۔ اماں کے گلے میں ہاتھ ڈال
کر سمجھانے لگی۔
''امی جی! آنسا تو نہ روئیں کہ ابا کو تکلیف پہنچے ان
کی روح ابھی یہیں ہوگی۔ اسے بہت دکھ نہ دیں۔ دیکھیں
دادی نے یہ جدائی کا صدمہ کس طرح جھیلا ہے۔ اور پھر
ابا ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ ہم سے بچھڑے نہیں۔ وہ تو
ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گے ہمارے دل اور ذہنوں
میں۔ اس کمرے میں، اس کرسی پر، اس پلنگ پر۔ کیا ہم
انہیں بھول سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔''
صبا میں بردباری اور برداشت آگئی تھی۔ جانے
کیسے۔ وہ خود بخود سب کی سرپرست بن گئی۔ ندا کو اب
تک اپنے ضبط و برداشت پر یقین تھا۔ مگر ابا کے انتقال
کے بعد وہ صبا کی قوت تحمل کی قائل ہو گئی۔ دن سست
اور خشک گزرنے لگے۔ اب امی اور دادی میں اکثر جھڑپ





ہو جاتی۔ صبا اماں کو سمجھاتی۔
''امی! دادی بہت ضعیف ہو گئی ہیں۔ صدمے کو
سہارنے کی ان میں ہمت نہیں ہے پھر بھی حوصلہ قائم رکھتی
ہیں۔ ہمارے ابا کی ماں ہیں۔ ہمیشہ ہمارے پاس رہی ہیں۔
آپ تو ان کی مزاج شناس ہیں۔ اب اگر دادی منجھلے چچا
کے پاس چلی گئیں۔ تو لوگ کیا کہیں گے کہ بیٹے کے مرتے
ہی بعد انہیں اس گھر سے نکال دیا گیا۔ جہاں ان کی
[illegible] بزرگوں کی برکت کی خاطر تھوڑا برداشت کر لیں۔
انہیں اب خدمت کی ضرورت ہے۔ چچا کے گھر ان کی
دیکھ بھال نہیں ہو سکے گی۔ ہم انہیں برداشت نہیں کریں
گے تو اور کون کرے گا۔''
کبھی دادی کے پاس جاتی انہیں سمجھاتی ''دادی پیاری
دادی امی کی بات کا برا نہ مانا کریں۔ آپ کو پتا ہے وہ
دل کی بری نہیں۔ پریشانی اور صدمے نے ان کو کڑوا بنا
[illegible]
[illegible] ہوں۔'' دادی اس کی تقریر سے متاثر ہو کر
[illegible] زمان کے گھر چلی جاؤں گی تو نہ مجھے آرام ملے
[illegible] مگر سوچتی ہوں۔ دلہن کو تو چین ملے گا۔ میں
[illegible] بھی سمجھتی ہوں، ان کی لڑکیوں سے خدمت لیتی
[illegible] ایسا تو اب رہا نہیں۔ جو میری قدر کرے۔ میرا
[illegible] پر حق ہی کیا ہے۔ اور ویسے بھی مجھے دوسرے
[illegible] کے پاس بھی رہنا چاہیے۔''
''دادی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ اس گھر پر ہم
[illegible] کا حق ہے۔ ہم سب آپ کے ہیں۔ آپ
[illegible] چلی گئیں تو آپ کے بیٹے کی روح آپ سے
[illegible] طلب کرے گی کہ میری اولاد کو کس کے سہارے چھوڑ
[illegible] پھر کیا جواب دیں گی آپ۔ دادی اب آپ
[illegible] ہمارا سائبان ہیں۔''
دادی ہچکیوں رونے لگتیں اور منجھلے چچا کو
[illegible]
[illegible] سکی میرے بچے اکیلے رہ جائیں گے۔ اب
[illegible] میرا جنازہ ہی اٹھے گا۔''
[illegible] اماں سے لڑائی ہوتی تو وہ اپنی گٹھڑیاں
[illegible] باندھنے میں لگ جاتیں۔ پھر صبا ان کے گھٹنے
[illegible] حکایتیں بیان کر کے وہ رو دیتیں
[illegible] اٹھا کر جگہ پر رکھتی جاتیں۔ اماں کو صبا سے

شکایت تھی۔ وہ ندا سے سرگوشیاں کرتیں۔
''یہ لڑکی دشمن ہے میری۔ ارے دادی بن جاتی ہے۔
نصیحتوں کے طومار باندھتی ہے۔ لاجواب کر دیتی ہے
مجھے۔ ایک بار دادی کو دوسرے بیٹوں کے پاس جانے
دے۔ ان کو پتا تو چلے کون کتنے پانی میں ہے۔''
ندا اداسی سے کہتی ''کیا فائدہ امی! دادی کو چچا
کے گھر کوئی شکایت بھی ہوئی۔ تب بھی وہ آپ سے تو
نہیں کہیں گی۔ مگر لوگوں کی زبانیں ہمارے خلاف کھل
جائیں گی۔ اور آپ نے بھی ساری زندگی ان کی کڑوی
کسیلی سن کر گزار دی۔ اب ان کا آخری وقت ہے۔ سزا
دینے سے کیا ہوگا۔ آپ کی ہی ریاضت، خدمت پر
پانی پھر جائے گا۔ اور آپ کو معلوم ہے۔ اب دادی
سے بڑھ کر چاہنے والا خیر خواہ اور کوئی نہیں ہمارا۔''
''یہ تو سچ ہے۔'' اماں سرد آہ بھر کر رہ جاتیں۔
گھر کا سائبان نہ رہے تو کیسی ویرانی ہو جاتی ہے۔
اس ہنستے مسکراتے خوش و خرم گھر کو جانے کس کی نظر لگ
گئی تھی۔ اداسیوں کا راج تھا۔ ندا جب بھی میکے جاتی، ماں
دادی کی چپقلش سننے کو ملتی۔ یا پھر ایاز کی شکایتوں کے
دفتر کھل جاتے۔ جو بے حد آزاد، گستاخ اور نافرمان
ہو گیا تھا۔ ندا اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ برا
مان جاتا اور لڑنے پر آمادہ ہو جاتا۔ اماں کی جمع جتھا
ہی کتنی تھی۔ کچھ روپیہ بینکوں میں تھا۔ سب ملا کر ایک کمپنی
کو دے دیا گیا تھا۔ جہاں سے ہر ماہ ایک لگی بندھی رقم
مل جاتی تھی۔ مگر ذہنی پریشانی، بیماریاں، ان کا علاج، لڑکیوں
کا ساتھ۔ اوپر سے مہنگائی نے ہوش اڑا رکھے تھے۔ اس
پر ایاز کی گھر سے لاتعلقی نے اماں کو ادھ موا کر کے رکھ دیا۔
ایاز اب دادی کی نصیحتوں سے بے نیاز تھا۔ وہ گھر میں
ٹکتا ہی بہت کم تھا۔ بے شمار دوست ہر وقت دروازہ
کھٹکھٹایا کرتے۔ اماں انہیں برا بھلا کہتیں تو وہ غرانے
لگتا۔ کبھی بہنیں اسے پیار سے سمجھاتیں۔
''ایاز! تم ہی تو ہماری امید، ہمارا حوصلہ ہو۔ خدا کے لیے
ہمیں تنہا نہ چھوڑو۔ واپس آجاؤ۔''
ایاز بگڑ جاتا ''اس گھر میں ہے ہی کیا جس کے
لیے میں دوستوں کو چھوڑ دوں؟ اماں اور دادی کی
نصیحتوں سے میں تنگ آگیا ہوں۔''

---

یوسف دو ملازمتوں کے چکر میں بے آرامی کے باعث بے حد تھکا تھکا رہنے لگا تھا۔ کئی دفعہ ندا نے سوچا۔ ان کو منع کر دوں گی۔ شام کی سروس چھوڑ دیں۔ صحت ہی درست نہ ہو تو پیسے کا فائدہ نہیں رہتا۔ اس دن صبح یوسف تیار ہو کر دفتر جانے کے لیے گھر سے نکلا۔ مہرو اسے دیکھ کر رونے لگی۔ ندا اسے کھڑکی میں کھڑا کر کے باہر کی سیر کرانے لگی۔ سڑک پر کافی چہل پہل تھی مہرو کو بہل گئی۔ سامنے ہی ایک بس آکر ٹھہری تھی۔ اور اس میں سے صبا اتر کر ادھر آنے لگی۔ صبح صبح صبا کی آمد سے ندا گھبرا گئی۔ پھر اس نے دیکھا وہ یوسف کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اور باتیں کرنے لگی۔ اسی اثنا میں ایک ٹیکسی آ گئی اور دونوں اس میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ندا کے پیر سُن ہو گئے۔ مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔ ٹریفک رواں دواں تھا۔ مگر یوسف اور صبا کے جانے کے بعد ہر طرف ایک ویرانی نظر آ رہی تھی۔ اندیشے اور فکر نے اسے بے حال کر دیا۔

کیا صبا روز آتی ہے؟ کیا وہ ان کے ساتھ جاتی ہے؟ اگر اندر آ کر مہرو کو پیار کر لیتی تو کیا ہو جاتا۔ مگر وہ تو روز ہی آتی ہو گی میں نے اسے آج دیکھا ہے۔ کیا ہو رہا ہے یہ؟ خطرے کی گھنٹیوں کے شور سے گھبرا کر اس نے کان بند کر لیے۔ شام کو وہ اماں سے ملنے کے بہانے ان کے گھر جا پہنچی۔ صبا گھر میں ہی تھی۔ کپڑے دھو کر الگنی پر ڈال رہی تھی۔ لپک کر آئی مہرو کو گود میں لے کر پیار کرنے لگی۔ اور ندا سے شکوہ کرنے لگی مگر وہ اپنی خوش باش زندگی میں محو ہو کر ان سب کو بھول گئی۔ پھر اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے کہا۔

"ارے ہاں آپا! میں صبح تمہاری طرف گئی تھی۔ مگر یوسف بھائی باہر ہی مل گئے۔ مجھے انہی سے بات کرنا تھی۔ انہیں آفس سے دیر ہو جاتی۔ اس لیے ساتھ ہی ان کے دفتر تک گئی۔ پھر وہاں سے بس پکڑ لی۔"

"کیا۔ کیا بات کرنا تھی؟"

"یہی [illegible] بہت لاپروا اور ڈھیٹ ہو گیا ہے۔ اسے ایک مستقل نگران کی ضرورت ہے۔ یوسف بھائی ہی اس کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔ میں اسی لیے ان کے پاس گئی تھی۔ اگر وہ کچھ عرصے کے لیے اس شام کی سروس ترک کر دیں۔ ایاز کو بے راہ ہونے سے بچانے کے لیے۔ کچھ تو کرنا ہو گا۔ ایاز ہمارا مستقبل ہے آپا! ابا کی آرزوئیں خاک میں مل جائیں گی۔ اگر ہم نے اسے گرنے سے نہ بچایا۔ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔" صبا بے حد فکر مند تھی۔

شام کو یوسف ادھر ہی آ گیا اور آتے ہی اس نے اعلان کیا کہ وہ شام کی سروس کو لات مار کر آ گیا ہے اس خوشی میں کل سب لوگ پکنک پر چلیں گے۔ سب نے خوشی کا نعرہ لگایا اور یوسف کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر ایاز بھی آ گیا۔ وہ یوسف سے بہت ڈرتا تھا۔ نظر بچا کر اندر جا رہا تھا۔ یوسف نے اسے پکارا اور قریب آنے پر اسے گلے لگایا۔ اور کل کے پروگرام کی ذمے داری اس پر ڈال دی۔ ایاز کی جھجک کچھ کم ہوئی۔ ندا کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خود یوسف کو یہ مشورہ کیوں نہ دیا۔

"میں نے یہ فیصلہ ایاز کی خاطر کیا ہے۔" یوسف نے اسے بتایا۔ "مجھے تو اب معلوم ہوا کہ اس کے دوستوں کی ٹولی بہت خراب ہے۔ اور وہ بھی خاصا بگڑ چکا ہے۔ تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ اسے راہ راست پر لانے کے لیے سب کو کوشش کرنی ہو گی۔ کچھ قربانی بھی دینی ہو گی۔ چلو اب تمہارے کہنے پر پروگرام پر عمل کا وقت آ گیا ہے۔"

یوسف اب روز شام کو ایاز کو پڑھانے کے بہانے ان کے گھر جاتا۔ تعلیم ہنسی مذاق کھانا پینا ہوتا۔ اس دوران ایاز کے کتنے ہی دوست دستک دے دے کر رخصت ہو جاتے۔ ایاز جھنجلا کر رہ جاتا۔ یوسف کے بنائے ٹائم ٹیبل میں کسی دوست کے ساتھ سیر گشت کی گنجائش نہ تھی۔ یوسف پابندی سے ہر ہفتے ایاز کے اسکول جا کر اس کے استادوں سے رپورٹ لیتا۔ ایاز کو اس کے ہر حکم کی تکمیل کرنا پڑتی۔

جب یوسف اسے نصیحت کرتا اس کے مرحوم باپ کی تمنا اور خواہشوں کے بارے میں بتاتا اس کی ذمے داری کا تذکرہ کرتا تو وہ سر جھکا کر رہ جاتا۔ گو اب ابا دنیا میں نہیں تھے۔ مگر ایک مستقبل کا خاکہ بنانے والا اور منزل کی نشان دہی کرنے والا موجود تھا۔ صبا ایاز کو یوسف کے سامنے سر جھکائے پڑھائی میں مشغول دیکھتی تو سکون کا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیتی۔ یوسف کا لحاظ، بڑے پن کا احترام ایاز کو تیزی سے راہ راست پر لا رہا تھا۔ ابا موجود نہ تھے۔ ان کا پیدا کیا خلا تو پورا نہ ہوا۔ مگر اس خوفناک خلا کی دہشت میں کمی آ گئی تھی۔

کبھی کبھی ندا کو پچھتاوا ہوتا۔ اس نے خود کیوں نہیں [illegible] سف کی سروس چھڑانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ صبا نے [illegible] اس اقدام سے یوسف کے دل میں مزید جگہ بنالی [illegible] دو دن بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ ایک [illegible] رقم سے محروم ہو کر اس کا کافی نقصان ہوا ہے۔ [illegible] مستقبل کی خاطر وہ قربانی دے سکتی تھی اور ایاز [illegible] روپے پر مطمئن ہو کر وہ صبا کی ممنون بھی تھی۔ انہی [illegible] اس کی ایک سہیلی نے بتایا جس اسکول میں وہ پڑھاتی [illegible] وہاں ایک ٹیچر کی جگہ خالی ہے۔ یوسف کو رضامند کرنا [illegible] تھا اسے سروس مل گئی۔ اب وہ تھکی ہوئی اسکول سے آتی تو گھر کے بہت سے کام اس کے منتظر ہوتے مہرو [illegible] کی جدائی سے پریشان ہوتی۔ اسے سنبھالنا ساس [illegible] محنت تو کرنا پڑتی مگر اس کے مالی حالات [illegible] ہو گئے۔ گاؤں سے ایک لڑکی آ گئی تو اس کا کافی [illegible] ہو گیا۔ اس کے باوجود اسے ناطاقتی کا احساس [illegible] اور ایک شک جب یقین میں بدلا تو وہ مریضہ [illegible] مہرو کی پرورش ہی مشکل لگ رہی تھی۔ دوسرے کو [illegible] نبھائے گی۔ جب گھر کے کام اسکول کی ذمے داریاں [illegible] کا شروع کر دیا۔ تو یوسف سے اس کی پریشانی [illegible]

"[illegible] اسکول سے چھٹی کر لو۔ اور مکمل آرام کرو۔" اس نے [illegible]

"[illegible] گزارا مشکل ہو گا۔" ندا کو بے حد خوشی ہوئی کہ یوسف [illegible] مدد [illegible] رہے۔

"کوئی بات نہیں مل جل کر کفایت سے کام چلائیں گے۔" یوسف نے سمجھایا۔ "اس شہر میں ہی ہزاروں مزدور [illegible] دن بھر کی مزدوری سے کام چلا لیتے ہیں۔ اور [illegible] مزدوری بھی نہیں ملتی مگر وہ بھوکے نہیں رہتے۔ [illegible] سب کا مددگار ہے۔"

ندا کو ان الفاظ نے حوصلہ دیا وہ طمانیت کے احساس [illegible]

"[illegible] سہولت سے کام ہو گا۔ کروں گی۔ کام [illegible] پھر دیکھا جائے گا۔" کہہ کر وہ ایک نئے عزم [illegible] مصروف ہو گئی۔

---

ایک دن صبا کالج سے ادھر ہی آ گئی۔ ندا کچن میں [illegible] صبا یوسف سے باتیں کرنے لگی۔ ندا کھانا لے کر آئی تو یوسف نے کہا۔

"سن رہی ہو اپنی بہن کی باتیں۔ یہ مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہی ہے۔"

"میں نے غلط الزام تو نہیں لگایا۔" صبا نے آہستگی سے کہا۔ "آپ مرد لوگ ہی ذمے دار ہوتے ہیں۔ آپ ہی ہمارے حقوق ہضم کرتے ہیں۔ آپ ہی ہمارا استحصال کرتے ہیں۔ پھر معصوم بن کر کہتے ہیں کہ۔"

"کل سے ندا کا اسکول جانا بند۔" یوسف نے شوخی سے کہا۔ "بھئی یقین کرو صبا! میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں بلکہ میں تو خواتین کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ ان سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ ان کے حقوق کا پاس کرتا ہوں۔ اور جناب ان کو فوقیت دیتا ہوں۔ بہت سے معاملات میں برتری کا قائل ہوں اور جب کسی بڑے عہدے پر فائز دیکھتا ہوں یا تعلیمی میدان میں ترقی کرتے پاتا ہوں تو شکر ادا کرتا ہوں کہ اب خواتین اپنی صلاحیت کا استعمال کرنے لگی ہیں۔ اپنے حقوق کی پاسداری کر رہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ندا کی سروس کے معاملے میں میرا مشورہ شامل نہیں۔ وہ خود مختار ہیں۔ میں ان کی اس محنت بلکہ مشقت کا قدر دان ہوں۔"

ندا کو یوسف کی تقریر سن کر خوشی نہیں ہوئی۔ وہ آج بہت تھک گئی تھی۔ گھر آ کر معلوم ہوا کہ مہرو زینے سے گر گئی ہے۔ اس کے ہونٹ سے خون نکل رہا تھا۔ اور وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ بمشکل ابھی وہ اسے سلا کر آئی تھی اور اس کی تکلیف سے پریشان ہو رہی تھی۔

جونہی صبا نے اس کے گلے میں بازو ڈال کر نہایت پیار سے کہا۔ "میری آپا! بس اب تم آرام کرو۔ کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے تم کو۔ میں یوسف بھائی سے یہی کہہ رہی تھی کہ انہوں نے میری آپا کا خیال نہیں رکھا۔"

یہ کہتے ہوئے صبا کی نظریں یوسف کی جانب تھیں۔ اور یوسف بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ جانے کیوں؟ ندا شک کے ناگوں میں گھر گئی۔ صبا کے بازو اپنے گلے سے ہٹا کر تیز لہجے میں بولی۔

"کیا میں اپنے گھر میں بھی تمہارے اشاروں پر چلوں گی؟ میری مرضی، میری خواہش کیا تمہارے حکم کے تابع ہے۔ تم۔

کہو گی تو سروس کروں گی۔ منع کرو گی تو چھوڑ دوں گی، کیوں کبھی اپنی ضروریات کے لیے کیا میں تمہارے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ تب تم کو تسکین ہو گی؟" اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ صبا بازو سمیٹتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

"آپا! آپا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میرا یہ مطلب تو نہیں خدا نہ کرے۔"

"جو نہیں کہنا چاہتی تھی۔ مگر کب تک برداشت کروں، تم مجھ پر حکم چلانے کا خیال چھوڑ دو۔ انہی پر چلاؤ جو تمہارے ایک اشارے پر لگی لگائی نوکری کو لات مار کر آ گئے تھے۔"

صبا کے حلق میں آواز محبس کر رہ گئی۔ وہ بے حد سراسیمہ اور بے اوسان ہو گئی۔

یوسف نے بغور ندا کو دیکھا جس کے چہرے پر تھکن اور اشتعال کی سرخی تھی۔ "کیا آج اسکول میں زیادہ محنت کرنا پڑی ہے۔ آخر تمہیں پریشانی کیا ہے؟"

"پریشانی...!" وہ طنز سے بولی: "مجھے کیا پریشانی ہو گی، مجھ سے زیادہ خوش اور مطمئن اس سرزمین پر شاید کوئی نہ ہو۔ اتنا آرام اور خوشیاں مجھ سے سنبھلتی نہیں، ایک لٹاتی پھرتی ہوں۔" کہہ کر روتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مہرو سو رہی تھی، مگر سوتے میں بھی وہ تکلیف سے کراہنے لگی۔ آنسو پونچھ کر ندا نے اسے سینے سے لگا لیا۔ آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹی رہی۔ آرام بھی ملا سکون ہوا۔ دل کی بھڑاس بھی نکل گئی تھی اور غبار بھی صاف ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو دیکھا کھانا ویسے ہی ٹرے میں رکھا ہوا ہے۔ کمرے میں کونے میں کرسی پر بیٹھا یوسف کسی رسالے میں غرق تھا۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا ابھی تک؟" بمشکل ہمت کر کے وہ بولی۔ یوسف نے رسالہ بند کر کے اس کی طرف دیکھا اور اسے نادم دیکھ کر اس کی طرف آ گیا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے ہے نا۔ دل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ تمہارا دل تو پہلے ہی صاف شفاف ہے۔ سچ بتاؤ کیا تم نے سچ مچ صبا کی ہمدردی کو اپنانا ہے؟ یہ بار تھکن کا ردعمل ہے۔ ویسے جاری تو سے

محبت کرتی ہے اسی مجبوری سے۔"

"مجھے اس کی محبت کی ضرورت نہیں ہے۔" ندا کو یوسف کی بات پر غصہ آ گیا۔

"تم کو اپنے والد کے فیصلے سے اختلاف تھا، تو تم نے اس کا اظہار پہلے کبھی کیوں نہیں کیا؟"

"کون سا فیصلہ؟"

"میرے ساتھ تمہاری شادی کا۔ بخدا میں اتنا بھی کم ظرف نہ تھا کہ اسے قبول نہ کرتا۔" کھانا کھانے کے دوران وہ پھر اسی موضوع پر آ گیا جس سے ندا بچنا چاہتی تھی۔

"کس نے کہا مجھے اختلاف تھا۔ صبا نے کہا ہو گا۔ اپنی اہمیت جتانے کا اسے موقع مل جائے پھر وہ کچھ سوچتی تھوڑی ہیں۔"

"نہیں۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔" یوسف نے سختی سے کہا: "میں اندازہ لگا رہا ہوں۔"

"اگر مجھے اختلاف ہوتا تو کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا، مگر آج میں سوچتی ہوں۔ اگر میں انکار کر دیتی تو بہتر ہوتا۔ کم از کم آپ کے لیے تو بہت بہتر تھا۔" ندا آج دلیری کا مظاہرہ کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔

"میری بہتری کا بھی تم سوچ سکتی ہو؟" یوسف نے طنزاً کہا۔

"ہاں۔ انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اور میں بار بار غلطی کرتی ہوں۔ اگر اس وقت اس غلطی سے کام نہ لیا ہوتا۔ تو آپ کی رسائی صبا تک ہو جاتی۔ ابو آپ کو بے حد پسند کرتے تھے۔"

ہاتھ میں پکڑا روٹی کا لقمہ یوسف نے پلیٹ میں ڈال دیا۔ دانت پر دانت رکھ کر غصے کو کچلا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ ندا کا دل خوف سے لرزنے لگا۔ پہلے صبا بھوکی پیاسی چلی گئی۔ اب یوسف۔ سہ پہر کو ایاز کتابیں سنبھالے آ گیا۔

"آج سے میں ہی آ جایا کروں گا پڑھنے۔" اس نے کہا۔ جب سے ندا ملازمت پر جانے لگی تھی یوسف شام کو تنہا جاتا تھا ایاز کو پڑھانے۔ حالانکہ واحد مقصد یہی نہ تھا بلکہ صبا چاہتی تھی یوسف گھر میں موجود رہے تاکہ اس کا رعب ایاز پر رہے۔ یوسف آیا تو خاموش خاموش تھا۔ اکھڑا اکھڑا۔ سوچ میں ڈوبا ہوا مہرو کو گود میں لے کر ایاز کے پاس بیٹھ گیا اس کا موڈ کافی خراب تھا۔ ندا اپنا وجود لیے پھری۔ صبح وہ اسکول جانے کی تیاری کرنے لگی تو یوسف نے کہا:

"اب تم اسکول نہیں جاؤ گی؟"

"کیوں؟" ندا چونک گئی۔

"اس لیے کہ میں نہیں چاہتا۔ وہاں جا کر دماغ کھپاؤ، تھکاؤ، پریشانی مول لو، اور اوٹ پٹانگ قسم کے خیالات کے جراثیم دماغ میں بھر کر لاؤ اور انہیں موقع دو ڈسنے کے لیے۔ تم کو اندازہ نہیں مگر میں اس صورت حال کے لیے تیار نہیں۔"

"مگر ایسا نہیں ہو گا۔" ندا نے مختصراً جواب پیش کیا۔

"کرنا ہو گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی: "مجھے عادت نہیں پیسہ دانتوں سے پکڑنے کی۔"

"ملازمت کی عادت ہے؟"

"نہیں۔ مگر مجھے اس کی اچھی خاصی قیمت ملتی ہے اور میں آج کل قیمت کی قدر کرتی ہوں۔ پیسہ۔ پیسہ ہی ضرورت ہے اور اس کے بغیر..." وہ چپ ہو گئی۔

"اسی لیے میں نے پوچھا تھا کہ تم کو اپنے ابو کے فیصلے سے اختلاف تھا تو تم نے انکار کیوں نہیں کیا؟" وہ چیخ کر بولا۔ ندا کی رگوں میں دوڑتا ہوا لہو سرد ہو گیا۔

"میں ایک کم حیثیت انسان تھا ندا!" یوسف نے خود پر قابو پا کر نرم آواز میں کہا۔ "تم نے کیوں قبول کیا مجھے۔ جوا کیوں کھیلا ہے؟"

"اس لیے۔ اس لیے کہ پھر آپ صبا کے لیے سوال کرتے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔" ندا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ یوسف نے اشتعال کے اظہار میں سر پٹخ دیا۔ چلا کر بولا: "تم نے کتنے غلط اندازے لگائے ہیں۔ تم انکار کر دیتیں۔ تو اس گھر میں کبھی کوئی عورت نہ آتی۔ نہیں۔ اس دل میں تمہارا عکس تھا ندا بیگم۔ اور وہ مٹنے والا نہیں تھا۔ کسی دوسری تصویر کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ میں نے تم سے محبت عبادت کے روپ میں کی تھی۔"

وہ مشتعل تھا فوراً باہر چلا گیا۔ ندا کے دل پر سیروں برف انڈیل کر وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ کچھ دیر بعد اٹھی اور اسکول چلی گئی۔ چند دن دونوں کے درمیان سرد جنگ جاری رہی۔ پھر خود بخود صلح ہو گئی۔

---

مہرو پلنگ سے گر گئی تھی — ندا اسکول سے آئی تو سب کو پریشان اور یوسف کو سراسیمہ پایا۔ پھر دونوں اسے لے کر ڈاکٹر کی طرف دوڑے۔ مہرو کے ماتھے پر ٹانکے لگائے گئے۔ یوسف نے محتاط لہجے میں کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا اسکول جانا چھوڑ دو۔ مہرو کو شدید نگرانی کی ضرورت ہے۔"

ندا نے کندھے اچکائے اور بے دلی سے کہا۔ "مجبوری ہے میں سروس بھی نہیں چھوڑ سکتی۔"

"صرف اس لیے کہ اس کی تجویز صبا کی طرف سے ہوئی۔"

"ہاں۔ صرف اسی لیے۔ آپ کہتے تو شاید میں چھوڑ دیتی۔"

"ندا...! اس چھوٹی سی بات کو انا کا سوال نہ بناؤ۔ بخدا میری یہی خواہش ہے کہ تم آرام کرو۔ مگر میں تمہاری کسی خواہش کے درمیان نہیں آنا چاہتا تھا۔ صبا کی معرفت تم تک یہ تجویز پہنچائی تھی۔ اگر جانتا کہ تم اس کا مطلب ہی الٹا لو گی تو خود ہی کہتا۔ صبا نے میری بات کی تائید کی تھی۔ تمہاری صحت۔ گھر کی حالت مہرو کی خبر گیری کے پیش نظر۔"

"کیا ہوا گھر کو؟" ندا چڑ گئی۔ "یا مہرو کو۔ یہ میرا مسئلہ ہے، صبا کا نہیں۔ گھر میرا ہے۔ مہرو میری۔ اس کو کیا حق ہے دخل اندازی کا۔ آپ کی زبان نہیں ہے تو آپ لکھ کر دے دیتے اور اب بھی خاموش رہیں تو بہتر ہے۔"

یوسف نے لمبا سانس لے کر خاموشی اختیار کر لی۔ ایک سرد لہر دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ کچھ دن بعد ایاز کی زبانی ندا کو معلوم ہوا کہ صبا نے سروس کر لی ہے۔ صبح کالج اور وہیں سے اپنے دفتر چلی جاتی۔ ندا جب امی سے ملنے جاتی ملاقات نہ ہوتی۔ وہ ایک اخبار کے آفس میں ہفتہ وار میگزین کی نگران بنا دی گئی تھی۔ کافی محنت طلب کام تھا۔ میگزین میں اس کے مضامین بھی شائع ہوا کرتے۔ اس کا بہت اچھا ایک رشتہ بھی آیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اور شفا کا نام پیش کر دیا۔ جو منظور کر لیا گیا اور نہایت سادگی سے شفا کو بیاہ دیا گیا۔ شفا کے رخصت ہونے کے بعد دادی دنیا سے ہی رخصت ہو گئیں۔ اس کے چند دن بعد ندا دوسری بیٹی کی ماں بنی۔

---

یوسف کو ایک بڑی پوزیشن کی ملازمت مل گئی تھی۔

گئی۔ وہ بے حد خوش تھا اس کا خیال تھا اس کی دوسری بیٹی بے حد مبارک ہے۔ اسی کی قسمت سے غیر متوقع طور پر یہ اتنی اچھی جگہ ملی۔

ندا نے سکھ کا سانس لیا۔ دو بچیوں کی پرورش نے ندا کو پریشان کر ڈالا تھا۔ وہ ان کی وجہ سے سروس جاری نہیں رکھ سکتی تھی مگر ضد میں چھوڑنا بھی نہ چاہتی تھی۔ یوسف اب اس معاملے میں خاموش ہو گیا تھا۔ اب ندا کی خواہش تھی کہ وہ خود اسے منع کرے تو وہ مان جانے کی ایکٹنگ کر کے اس جنجال سے چھوٹ جائے۔ مگر یوسف کسی طرح کہتا نہ تھا۔ وہ چھوٹی بچی علینہ کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ جس کو چھوڑ کر جاتے وقت ملال اور ندامت کی کیفیت طاری ہو جاتی اور خود ہی وہ اپنی ضد پر پچھتاتی۔ ایک روز امی نے بہت رازداری سے اسے بتایا۔

"صبا کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے مگر وہ شادی پر تیار نہیں۔ تم یوسف سے کہو وہ آ کر اسے سمجھائے۔ یوسف نے تو اب ہمارے گھر آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ میں خود ہی کہتی مگر لحاظ آتا ہے۔ وہ لوگ بہت زور دے رہے ہیں۔ لڑکا انجینئر ہے۔ لوگ بھی شریف اور بااخلاق ہیں۔ میں نے لڑکے کو دیکھ لیا ہے۔ خوبصورت اور اسمارٹ ہے جیسا کہ آج کل لڑکیاں پسند کرتی ہیں۔"

"وہ کیا کہتی ہے؟" ندا نے تحمل سے ان کی بات سن کر پوچھا۔

"کہتی ہے مجھے بھول جائیں۔ ضحیٰ کی کر دیں۔ ضحیٰ بھی اب شادی کے لائق ہے بلکہ نہا بھی۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ صبا کی ہو جائے۔ وہ سب میں بڑی ہے۔ میں زیادہ کہتی ہوں تو رونے لگتی ہے۔ کہتی ہے میں بچی نہیں ہوں جو آپ کی انگلی پکڑ کر چلوں گی۔ جب وقت آئے گا تو یہ ضروری کام بھی کر لوں گی۔ مگر ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ اور کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کبھی کہتی ہے میں نے اپنی زندگی چند مقاصد کے نام کر دی ہے۔ جب ان سے عہدہ برآ ہوں گی تو سمجھ لیں میں سرخرو ہو گئی۔ میں آپ کو بتا دوں گی۔ پھر آپ من چاہی تمنا پوری کر لیں مگر ندا! پتا نہیں وہ کب تک کرے گی۔ اس وقت تک کون اس کے لیے بیٹھا رہے گا۔ تم ہی پوچھو۔ ان باتوں کا مقصد کیا ہے؟"

ندا صبا سے کتنے دن سے ملی نہیں تھی۔ دونوں کے درمیان حجاب قائم ہو گیا تھا۔ اس نے یوسف کو امی کی خواہش کے بارے میں بتایا۔ یوسف نے اخبار کی اوٹ سے ندا کو دیکھا۔ پھر صفحات میں گم ہو گیا۔ ندا نے دوبارہ اسے بتایا۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔ اس سلسلے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" یوسف نے بے رخی سے کہا۔ ندا کی آنکھوں میں ایک تاریک سایہ لہرایا۔ شک کا بیج ابھی مردہ نہیں ہوا تھا۔

"کیوں نہیں کہہ سکتے؟"

ایک منٹ وہ سوچ میں گم رہا۔ پھر اخبار تہہ کرتے ہوئے بولا "اس لیے کہ میں وہاں جاتا نہیں۔ وہ یہاں آتی نہیں۔"

ندا کو یقین نہ آیا۔ کیا وہ یہی بات کہنا چاہتا تھا۔ یا فوری طور پر ارادہ بدل کر بات بنائی ہے۔ وہ چپ رہی۔ اب وہ زیادہ تر خاموش رہتی تھی۔ اور دو بچیوں کی موجودگی میں تو وہ کچھ کہنے سے پہلے زیادہ سوچتی تھی۔ وہ اپنی ساس کے طرز عمل سے بے حد خائف تھی جن کا موڈ اکثر خراب رہنے لگا تھا اور ان کو خدشہ تھا کہ ندا بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے چھ لڑکیوں کا بوجھ یوسف پر ڈالے گی۔ ان اندیشوں کا بوجھ ہی ندا کے شانے جھکا دیتا۔

"آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیے امی بہت پریشان ہیں۔" اس نے ہمت کر کے دوبارہ کہا۔

"اس کی شادی کے بعد امی کو زیادہ پریشانی سے سابقہ پڑے گا جتنی ذمہ داریاں اس نے اٹھائی ہوئی ہیں اور جس حوصلے کے ساتھ وہ سب کی نگہبانی کر رہی ہے۔ شادی کے بعد مجبور ہو کر رہ جائے گی۔ اور امی حالات کو درست کرنے میں ناکام رہیں گی۔" یوسف نے آخر کار کہہ دیا مگر ندا کو اس کا یہ استدلال پسند نہیں آیا۔

"کیا جن کے گھر میں کوئی مرد نہیں ہوتا۔ اس گھر کی لڑکیوں کی شادی نہیں ہونا چاہیے؟"

"ضرور ہونا چاہیے۔ یہ تو فرض ہے مگر صبا کا معاملہ ان لڑکیوں سے الگ ہے۔ وہی اس گھر کو بکھرنے سے بچانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ اس کی کاوشوں



کا صلہ نہ دیں مگر زیادتی بھی نہ کریں۔"

ندا کی سمجھ میں نہ آیا اس بات سے اس کا کیا مقصد ہے۔ مگر اسے صبا کے لیے یوسف کا ہمدردانہ لہجہ بھی پسند نہ آیا۔ اس لہجے، اس انداز میں ایک خاص جھلک سی کھنک تھی۔ ان کی آواز میں جہاں صبا کی کاوشوں کے لیے بھرپور تحسین اور داد کا احساس تھا وہیں ایک [illegible] چھپا نظر آ رہا تھا۔ ندا کو پھر شکوک نے اپنے حصار میں لے لیا۔ یوسف کیوں نہیں دل کی بات اس کو بتا دیتے۔ کیوں نہیں سچائی سے اعتراف کر لیتے کہ وہ صبا سے محبت کرتے تھے (یا کرتے ہیں) اس سے [illegible] خواہاں ہیں۔ وہ کڑھتی رہی۔

---

آخر کار اسے صبا سے خود ہی بات کرنے کا موقع مل گیا۔ امی کی فکر، صبا کا مستقبل، حالات کا تقاضا۔ اس نے صبا کو یہ بات ظاہر کر کے شادی کے لیے ہموار کرنا چاہا۔ صبا نے گردن سے انکار کا اشارا کیا۔ وہ بے چین ہو گئی۔

"کیوں؟ مگر کیوں صبا؟ وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ لڑکا لائق ہے۔ ان کی کوئی شرط بھی نہیں ہے۔"

"ہوں گے۔ شرط نہیں یہ بھی اچھی بات ہے۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "میں نے امی سے کہا ہے ضحیٰ کی کر دیں۔ ویسے بھی لڑکا کم عمر ہے۔ یعنی مجھ سے بہت بڑا نہیں ہے۔ عمر میں ضحیٰ کا جوڑ اچھا رہے گا۔"

"لیکن امی کو تمہارا بوجھ ٹھکانے لگانا ہے اب۔" ندا نے لہجے کو تلخی سے بچانے کے لیے نرم کر لیا۔

"مجھے ابھی شادی نہیں کرنا۔ میری منزل ابھی دور ہے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تیر رہی تھی۔ وہ دیوار کو غور سے دیکھ رہی تھی جہاں کسی بچے نے پنسل سے کسی خوفناک جانور کی تصویر بنائی ہوئی تھی۔ "ابھی وقت نہیں آیا آپا! اور اس لیے بھی کہ نہیں چاہتی۔ وہ جذبہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا جس کے بعد شادی ضرور ہو جاتی ہے۔"

"تم ننھی بچی نہیں ہو صبا! مجھ سے دو سال ہی تو چھوٹی ہو۔ عمر زیادہ ہو جائے تو رشتے مشکل سے ملتے ہیں۔ اب تو تم کو سمجھنا چاہیے کہ دیر ہونے پر معیار کے مطابق رشتہ نہیں ملے گا۔"

"پلیز آپا نصیحت مت کرو، میرا موڈ نہیں ہے۔"

"صبا! صاف کیوں نہیں کہتیں، کہیں دل لگا لیا ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا۔" وہ بھیگے لہجے میں بولی "تو مجھے شادی سے کون روک سکتا ہے۔"

"وہ حالات۔ وہ شخص خود جو کسی وجہ سے شادی کر چکا ہے اور تم ابھی تک اسی کے خواب۔"

"نہیں۔" صبا تیزی سے بولی "یہ غلط ہے۔"

"صحیح ہے۔" ندا نے زور سے کہا "تم دل میں چھپا کر رکھتی ہو۔ مگر میں تمہاری ہی بہن ہوں۔ میں جان گئی ہوں۔ تم کو محبت تھی۔ محبت ہے یوسف سے۔ مگر اپنی محرومی کا بدلہ امی سے لے کر تم تب تک مطمئن رہ سکو گی۔ یوسف نے مجھ سے شادی کی۔ حالانکہ وہ تم سے بھی کر سکتے تھے۔ تم نے ان کو دیکھتے ہی پہلی نظر میں ہی اپنا ہاتھ استری سے جلا لیا تھا۔ یاد ہے؟"

صبا کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھیں ویران ہو گئی تھیں۔ ندا نے اپنی بات کا اثر ہوتے دیکھ کر بات جاری رکھتے ہوئے پھر کہا۔

"صبا! میری زندگی میں زہر مت گھولو۔ میں خوب جانتی ہوں۔ ان سے محبت کرنے کے بعد کوئی بھی لڑکی کسی اور سے وابستہ ہونا نہیں چاہے گی۔ مگر میں تمہاری بہن ہونے کے ناتے، تم سے یہ درخواست کرتی ہوں۔ خدارا تم شادی کر لو تاکہ میں جو انگاروں کے بستر پر سوتی ہوں کسی طور چین کی نیند سو سکوں۔ آرام پا سکوں۔"

صبا اسے بغور دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں وہ روشنی بھر گئی جو ویرانوں میں نہیں ہوتی۔ اس کے چہرے پر زندگی کا رنگ واپس آ گیا۔ ندا کے چہرے پر نظریں جما کر اس نے طمانیت بھرے انداز میں کہا۔

"آپا! تم اگر انگاروں پر سوتی ہو تو یہ تمہارے واہمے ہو سکتے ہیں۔ اس خوف سے پیچھا چھڑا لو آپا۔ میں اتنی کم ظرف اور کمینی بھی نہیں کہ تمہارے سہاگ کو نظر بھر کر دیکھوں۔ ہاں یہ سچ ہے میں یوسف بھائی کو پسند کرتی ہوں۔ پہلی نظر کی کیا بات ہے، جس روز ابا انہیں گھر لائے تھے۔ وہ ان سے میری دوسری ملاقات تھی۔ البتہ تم نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ انہیں دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔ ایک آرزو دل میں پیدا ہوئی تھی۔ کہ کاش یہ ہمارے ہوتے

ہمارے اپنے۔ اور جب یہ آرزو پوری ہوئی وہ دولہا بن کر ہمارے گھر آئے، اس سے زیادہ خوشی کا کوئی لمحہ شاید میری زندگی میں کبھی نہ آئے گا! مجھے ان سے محبت ہے۔ تم ہی بتاؤ، یوسف بھائی سے کون محبت نہیں کرے گا۔ مگر تم جس طرح سوچتی ہو اس سے مجھے بے حد دکھ ہوا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا تم اپنی سطح سے اتنا گر بھی سکتی ہو۔ آپا تم ایسی تو نہ تھیں۔"

---

صبا نے شادی نہیں کی البتہ اسی لڑکے سے ضحی کی شادی ہو گئی، اور امی کی خواہش کے مطابق ہما کا نکاح بھی ہو گیا۔ ہما کے لیے صبا نے ہی کوشش کی تھی۔ لڑکا عزیزوں میں تھا۔ ابھی زیرِ تعلیم تھا اس لیے صرف نکاح پر اکتفا کیا گیا۔ محلے کی ایک شادی میں ندا کو اپنی ایک سہیلی مل گئی۔ دونوں گھل مل کر باتیں کرنے لگیں۔ یوسف سے تعارف ہوا۔ یوسف کے جانے کے بعد فرح نے رازداری سے کہا۔

"ہائے ندا! کیا یوسف ثانی پایا ہے تو نے۔ ارے بیوقوف اپنے ساتھ ہی رکھا کر، دنیا میں زلیخاؤں کی کمی نہیں ہے۔"

ادھر دو تین لڑکیاں کھسر پھسر کر رہی تھیں اور یوسف ہی ان کی توجہ کا مرکز تھا۔

"میں تو اس وقت جانتی بھی نہیں تھی کہ یہ کون ہیں۔ مگر دل میں سوچا بڑی خوش نصیب ہو گی وہ لڑکی جو اس کی شریکِ حیات بنے گی۔ ارے دیکھو۔ وہ مسز نورانی۔ وہ جو موٹی عورت ہے نا، وہ مستقل تیرے میاں سے چپکی ہوئی ہے۔" ندا کو ہنسی آ گئی۔

مسز نورانی یوسف کے آفس میں کام کرتی تھیں، اسی لیے بقول فرح یوسف سے چپکی ہوئی تھیں۔ مسز نورانی ہی نہیں، وہاں تو کئی خواتین یوسف سے چپکنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں تھیں۔ یوسف خواتین میں بہت جلد مقبول ہو جاتا تھا۔

یہ بات فرح کو اچھی نہیں لگی۔

"مردوں کا کچھ بھروسا نہیں۔" فرح نے ندا کو سمجھایا۔ "جانے کب انہیں کوئی نئی صورت، نیا لباس پسند آ جائے اور دفتر کی عورتوں کا دین ایمان باس کے اشارے پر قربان۔"

ندا اسے سمجھا نہ سکی، نہ مسز نورانی اتنی فضول کی ذہنیت

کی مالک تھیں، نہ یوسف آتا گیا گزرا۔ مگر وہ دیکھ رہی تھی، کتنی ہی نگاہوں کا وہ مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے خوبصورت شاندار سراپے پر نظر ڈال کر وہ فخر کیے بغیر نہ رہ سکی، وہ اس کا ہے، بلا شرکتِ غیرے۔

"بس اب بیٹیوں کا سلسلہ بند کر ندا۔" فرح نے راز کی بات بتائی "اور دو تین بیٹے پیدا کر کے میاں کو مٹھی میں لے لے یہ مرد جو ہیں نا یہ اولاد کے معاملے میں بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں۔

کہیں اس خوبصورت دیوتا کو کوئی نئی نکور دیوی مل گئی تو بس تو گئی اس موڑ پر اور جو بیٹیوں کا نذرانہ دے کر اسے اپنا نہ بنایا تو خطرے ہی خطرے ہیں۔ ارے ندا! اس خطرناک موڑ سے بچنا۔ زندگی میں دو ہی تو موڑ آتے ہیں۔ ناکامی کا موڑ، کامیابی کا موڑ۔ لڑکیوں کی مائیں ناکامی کے موڑ پر رک جاتی ہیں۔ ہوش کر۔"

ندا گھبرا گئی۔ کیسے اس موڑ سے بچے گی؟ کیا اس کے اختیار میں بھی کچھ ہے؟ آگے بڑھنے، منزل تک پہنچنے کے لیے اسے بیٹوں کی مدد درکار تھی۔ مگر کیسے؟ اس کے ذہن میں ہر وقت فرح کے جملے شور مچاتے رہتے، کہ پتا کب انہیں کوئی نیا لباس پسند آ جائے۔ جب تک یوسف آفس سے نہ آ جاتا وہ اضطراب میں باؤلی ہی رہتی۔ اس کے آتے ہی کھوجی نگاہوں سے بغور معائنہ کرتی کتنی عورتوں سے باتیں کی ہیں، کتنی خواتین کے ساتھ کھانا کھایا، کس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کس تفریح گاہ میں گیا ہوگا۔ یوسف کے آفس میں پچاس فیصد خواتین کام کرتی تھیں۔ یوسف ان عورتوں کی محنت اور قابلیت کا مداح تھا۔ اس کے آتے ہی وہ کوٹ کی جیبوں میں تلاشی لیتی۔ قمیص کو غور سے دیکھتی۔ طرح طرح کے سوالات کرتی۔ اس کی چیکنگ اور پریشانی سے لطف اندوز ہو کر ایک دن یوسف نے ہنس کر کہا۔

"بھئی میں تمام نشانیاں مٹا کر آتا ہوں۔"
"کبھی نہ کبھی غلطی بھی ہو گی۔ اسی موقع کی تلاش میں ہوں۔"
"تم ثبوت تلاش کرتی رہ جاؤ گی اور میں"
"ہاں۔ اور آپ کیا کریں گے؟" وہ یوسف کے ادھورے جملے کے مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگی۔
"تمہاری موجودگی میں تو کچھ نہیں کر پاؤں گا۔"
"تو میرے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں؟"



یوسف کا چہرہ تپ گیا۔ آنکھوں میں سرخی دوڑنے لگی۔ ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ وہ اس نے فرش پر دے مارا اور غرا کر کہا۔

"خبردار ندا، بکواس نہیں چلے گی۔"

اس کا لہجہ اس قدر سخت اور کڑوا تھا کہ ندا لرز کر رہ گئی۔ مگر شک کا ایک اور بیج پروان چڑھنے لگا۔ کئی دن یوسف اس سے خفا رہا۔ اس نے دو تین مرتبہ طنز بھرے جملوں سے اسے بھڑکانا چاہا۔ یوسف نے پروا نہ کی۔ آخر ایک روز نہایت تحمل اور سنجیدگی سے اس نے ندا کو بٹھا کر سمجھایا۔

"یہ کار فضول کی خرافات، خیالات کو ذہن میں ... دو۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تم میری بیوی ہو، بچوں کی ماں ہو اور اس سے بڑی حیثیت آج تک نہ کسی کو ملی ہے نہ ملے گی۔ یہ میں تم کو ... ایمان یاد کرانا چاہتا ہوں کہ صرف اور صرف تم ہی میری زندگی کا بیش قیمت اثاثہ، میری دولت اور اعزاز ہو۔ جسے میں نے دل میں چھپا کر رکھا ہے اور جس پر گرد کا ایک ذرہ، میل کا معمولی غبار بھی میں نہیں ... چاہوں گا۔ مجھ پر یقین کرو۔ بالکل ایسے جس ... کرتا ہوں تم پر۔ میرے دل، میری روح ... پر تمہاری حکومت ہے۔ اس روزِ اول ... جب میں نے تم کو پہلی بار دیکھا تھا۔"

یوسف کو وہ پہلی نظر کی تجلیوں کا خیال آیا جن سے اس کا سابقہ پڑا تھا۔ اور وہ لڑکھڑا گیا تھا۔ کتنا عجیب احساس تھا۔ نگاہوں کی گرمی، دل میں کھب جانے والی نظر اور نقش ہو جانے والی صورت۔ تمنا کا جاگنا اور سرور کی سی کیفیت مگر اس نے آج تک اس پہلی نظر کے بارے میں اپنے احساسات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ندا چپ بیٹھی تھی۔

اسے یاد تھا، پہلی نظر ٹکراتے ہی اس کا ہاتھ کانپ گیا تھا۔ ایک نشے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی مگر وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی، کچھ بول نہ سکی۔ دل یقین کرے ... یوسف آئینہ ہے۔ اس کا باطن ایک ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، بے شک ... اکثر کہتے تھے۔ لیکن کبھی نہیں، سب دکھاوا ہے، بناوٹ ہے۔

جھنکاروں کی آواز اور رفتار اتنی بے پناہ تھی کہ اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد اسے اطمینان کی لہریں وجود میں اترتی محسوس ہوئیں۔ دل خوشی کی پھواروں میں بھیگنے لگا اور ذہن میں تر و تازہ پھولوں کے قافلے اترنے لگے، سچ، سچ ہوتا ہے۔ اور سچ پر یقین نہ کرنا گناہ ہے۔ سارے اندیشے اور وسوسے دور بھاگ گئے۔ وہ مسکرانے اور کھلکھلانے لگی۔ زندگی ایک خوش نما، خوش رنگ پیراہن کے روپ میں اس کے وجود کو دلکش بنانے لگی۔ سارے دکھ اور فکر ہوا میں بکھر گئے۔

---

منجھلے چچا کے بیٹے کی شادی تھی۔ انہوں نے تو کئی دن پہلے سے بلایا تھا، مگر بچیوں کو سنبھالنے کا مسئلہ تھا۔ اس لیے شادی کے دن وہ صبح ہی تیار ہو گئی۔ یوسف نے شام کو شادی کے وقت پہنچنے کا وعدہ کر لیا۔ اور ندا بچیوں کو لے کر چچا کے رونق والے گھر میں آئی تو وہاں ضحی، ہما اور فضہ موجود تھیں۔ ندا نے فضہ سے پوچھا۔

"امی کیوں نہیں آئیں؟"

"وہ شام کو آپی کے ساتھ ہی آئیں گی۔" ہما نے کہا۔

"آپی کو بہت ضروری پیپر لکھنا تھا۔ اماں نے کہا تم لوگ جاؤ۔ فضہ تو کل ہی آ گئی تھی۔ مجھے بھی ضحی آپی لینے آ گئی تھیں۔ تم نہیں آ سکیں۔"

بچی کو بازار کا کام تھا۔ شفا اور ناہید بازار جانے لگیں تو ندا نے کہا۔

"میں بھی چلوں گی۔" بچیوں کو ہما کے سپرد کر کے وہ ان لوگوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ "مجھے امی کے گھر اتار دینا۔" اس نے کہا۔ "اور واپسی میں لے لینا۔" راستہ وہی تھا۔

ناہید نے کہا۔ "تیار رہنا، میں ہارن دوں گی۔"

"ہاں آپا وہ تمہاری بیٹیاں تمہیں رو رو کر پریشان نہ کر دیں۔ ہمیں تو بازار سے بس پھول خریدنے ہیں۔"

"اچھا بابا! اچھا۔" ندا ماں کے گھر کے سامنے اتر گئی۔ گھر میں اداسی کا راج تھا، ہر طرف سناٹا۔ اماں نماز پڑھ رہی تھیں۔ یہ گھر کس قدر پر رونق ہوتا تھا پہلے۔ اب ابا گئے۔ دادی گئیں۔ ضحی اور شفا سسرال سدھاریں۔

اور باقی سب شادی شدہ ہیں۔ مگر صبا کدھر ہے۔ وہ برآمدے کے باہر آ گئی۔ پچھلی طرف کے صحن سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ کیا صبا ہے بلند آواز میں بول بول کر منجھی لگتی ہے۔ ندا گلیارے سے گزر کر صحن کی جانب جانے لگی۔ پھر ٹھٹھک گئی۔ صبا کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کا لہجہ بے حد تلخ اور تھکا تھکا تھا۔ جیسے شکوہ کر رہی ہو۔ اور پھر اسے مردانہ آواز سنائی دی۔ تسلی دلاسے سے بھری وہ آواز وہ ہزاروں کے مجمع میں یوسف کی آواز پہچان لیتی۔ یہاں تو سناٹا بھی بہت تھا۔ دبے قدموں آگے بڑھ کر اس نے جھانکا۔ امرود کے پیڑ کے نیچے پیڑھی پر صبا بیٹھی تھی۔ اور سامنے کچھ فاصلے پر کرسی پر یوسف قدرے جھکا بیٹھا تھا۔ صبا کے لہجے میں دکھ کی آمیزش تھی۔

"میں تو سب کے لیے سوچتی ہوں۔ مگر کسی کو میری الجھنوں کا اندازہ نہیں ہے۔ میرے اختیار میں ہو تو سب کو خطرے کا وہ نشان دکھا دوں جس نے میری نیند حرام کر دی ہے۔ کسی کو کچھ نظر آئے تو میں بھی آنکھیں بند کر کے بیٹھی رہوں کیا؟"

"مجھے معلوم ہے مگر میں بھی اتنا با اختیار نہیں۔ بہرحال میں سوچوں گا۔" یوسف نے کہا۔

شاید وہ کافی دیر سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کا موضوع گفتگو کیا تھا۔ یہ ندا کی سمجھ میں نہ آیا۔

"سوچوں گا!"

صبا حیرانی سے بولی۔ "کمال ہے اتنی دیر سے میں آپ کو خطرے سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اور آپ کہتے ہیں سوچوں گا۔ نہیں، آپ کو میری بات ماننا ہوگی۔ سوچنے کا وقت اب نہیں ہے۔"

"صبا ذرا وقت کا انتظار کرو۔ میں کسی تلخی کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔ معاملے کی اہمیت اپنی جگہ مگر اس کے نقصانات پر غور کرنے اور نفع نقصان میں توازن کا اندازہ کرنے کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا۔" یوسف بھی کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ صبا بے قرار سی ہو رہی تھی۔

"آپ تکلیف اٹھالیں گے نا۔ میرے اعتماد کو دھوکا تو نہیں دیں گے۔ مجھے مایوس نہیں کریں گے بولیے!"

"انتظار، تھوڑا سا!" یوسف بہت ملائمت سے بولا۔

"کسی امید پر انتظار بھی کر لوں گی، مگر وعدہ کیجیے آپ نقصان کی پروا نہیں کریں گے اور ہر تلخی کا سامنا کریں گے۔ ہمارے لیے، ہم سب کے لیے۔"

"میں نے تمہاری کسی بات کو کبھی رد نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں تم کس اذیت سے گزر رہی ہو مگر میں فوری فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تمہاری بہن بہت زود رنج ہیں اور ذہین۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں جانتی ہوں۔ آپ بھی پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں مگر آپ میری سنوائی تو کر سکتے ہیں۔ وہ بھی کافی ہے۔ آپ ہی تو اعتماد کی روشنی ہیں جس سے ہمیں زندگی کی نوید ملتی ہے۔ میں آپا سے کہوں گی، وہ خفا ہوں گی۔ تب بھی منا لوں گی انہیں۔"

"نہیں۔ تم کچھ نہیں کہو گی۔ میں خود ہی کوئی راستہ نکالوں گا۔" یوسف نے تیزی سے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

ندا تیزی سے واپس آ کر اماں کے کمرے میں چلی گئی۔ تو یہ تھا وہ ضروری فیچر اور یہ تھا یوسف کا منصوبہ۔ امی نے عین شادی کے وقت پر پہنچنے پر اصرار کیا تھا۔ دونوں کی گفتگو کا حاصل ندا کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ یوسف کے "راستہ نکالوں گا" کے فقرے میں الجھ کر رہ گئی۔

غم زندگی اور خوف نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ ساس گاؤں چلی گئی تھیں۔ اس بار وہ لمبے عرصے کے لیے گئی تھیں۔ گاؤں میں ان کی ایک بیٹی اپنے بھتیجے کے بیٹے سے بیاہی گئی تھی۔ ساس کے جانے سے تنہائی ہو گئی۔ اور وہ مزید خوف زدہ۔ جب یوسف نے اسے سادگی سے بتایا کہ وہ اب اس گھر میں نہیں رہ سکیں گے۔ بلکہ ندا کی امی کے گھر اوپر کے کمرے میں رہیں گے۔ زائد سامان نیچے رکھا جا سکتا ہے، ندا حیران رہ گئی۔

"وہ تو بہت چھوٹا کمرہ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں امی کرائے دار رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے ہم سے کرایہ نہیں لیں گی۔ ان کا بہت نقصان ہوگا۔"

"یہ نقصان اس نقصان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جس کے ازالے کے لیے میں نے فیصلہ کیا ہے۔"



ندا تلخی سے مسکرائی۔ "اچھا۔ بھلا کون سا نقصان ہے؟ مگر آپ روز صبا سے نہیں مل سکتے۔ اس کے احکام کی تعمیل کے لیے آپ کو ملاقات کا بہانا ڈھونڈنا پڑتا ہے۔"

"خاموش!" یوسف نے غرا کر کہا۔ وہی قہر آلود سرد آواز جس سے ندا کانپ جاتی تھی۔ "ندا بیگم تم کو خبر نہیں تم کس المیے سے گزرنے والی ہو۔" اس نے اپنا لہجہ نرم کر کے بات کی، مگر ندا کو رونا آ رہا تھا۔

"مجھے خبر ہے اب آپ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔ اسی لیے اماں کے گھر جانا چاہتے ہیں کہ جب چاہیں دامن چھڑا لیں۔ اماں نے تو مجھ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ ان کے گھر میں ہمارے لیے گنجائش بھی ہے۔"

"نہیں۔ یہ میرا اور صبا کا فیصلہ ہے۔ تمہارے کنبے کے وسیع تر مفاد کے لیے مجبوری ہے۔ ایاز کو بری صحبت سے بچانے کے لیے مجھے اس کے سر پر مسلط ہونا پڑے گا۔ تمہیں خبر نہیں وہ کس خطرے سے دوچار ہے۔"

"آپ کو علم ہے اور صبا کو۔ اور یہ کافی ہے۔" ندا جلی بھنی تھی۔ اسے غصہ آ رہا تھا۔ تین دن سے علینی کو بخار تھا۔ وہ ابا ابا کی رٹ لگائے رہتی اور یوسف کو گھر آنے کی فرصت نہ ملتی۔ "خطرہ خطرہ کوئی اور بہانہ نہیں ہے۔ آپ کے پاس وہاں جا کر رہنے کا۔"

یوسف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اور بہت دیر چپ رہا۔ چپ کا قفل اس دن ٹوٹ گیا۔ جب ندا بچیوں کے ساتھ امی کے پاس گئی ہوئی تھی۔ شام کو وہ صحن میں بیٹھی خفتہ سے باتیں کر رہی تھی۔ اماں نواسیوں کے ساتھ ہنسا ہنسا کر باتیں کر رہی تھیں۔ یوسف ایاز کو بازو سے پکڑ کر اندر لے آیا۔ اس کا چہرہ غصے اور افسوس میں تپا ہوا تھا۔ ایاز سراسیمہ اور خوف زدہ تھا۔ یوسف نے اسے چرس کے سگریٹ کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔

"امی!" یوسف نے ندا کو سرسری نظر سے دیکھ کر ساس کو مخاطب کیا۔ "آپ کی اجازت ہو تو میں ان کے دماغ درست کرنے کی کوشش کروں۔ بعد میں آپ یہ نہ کہیں کہ کسی نے ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا اور اگر اب بھی یہ سدھرے نہیں تو میں یہ۔"

اماں بے چاری تو چرس کے سگریٹ کا سن کر ہی بے دم ہونے لگی تھیں۔ یوسف نے ندا کی طرف دیکھ کر ایاز کا ہاتھ چھوڑ دیا جو بے یقینی سے ایاز کو دیکھ رہی تھی۔ جرم کی سیاہی ایاز کے چہرے کو سیاہ کر چکی تھی۔

"میں نے کسی سے سنا یا دیکھا کہ تم ان آوارہ لڑکوں سے ملتے ہو تو بغیر ثبوت کے ہی بھرے بازار میں ننگا کر کے جوتے رسید کروں گا۔ یاد رکھنا۔"

یوسف نے سخت لہجے اور تیز آواز میں ایاز کو متنبہ کیا۔ ایاز سر جھکائے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔ اس میں ابھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ یوسف سے نظر اٹھا کر بات کرے۔ یوں بھی جانے کیسے چرس کا سگریٹ پیتے ہوئے یوسف نے اسے پکڑ لیا تھا۔ وہ تو بہت احتیاط کرتا تھا۔ لگتا ہے یوسف کئی دنوں سے اس کی جاسوسی کر رہا تھا — یہی سوچتا ہوا وہ اندر چلا گیا۔ باہر امی سر تھامے اس کی شکایتیں یوسف سے کر رہی تھیں۔

"کسی کی سنتا ہی نہیں۔ گھر میں اس کا دل نہیں لگتا۔ مجھ سے دو بدو بحث کرتا ہے۔ لاکھ سمجھاتی ہوں کہ تو بہنوں کا ایک بھائی ہے۔ بری راہ لگ گیا تو کون ان کے سر پر پلو ڈالنے لگا۔ باپ کی عزت کا بھرم رکھ۔"

"امی! آپ لوگ اسے اتنی اہمیت دینے لگے ہیں۔ اسی لیے وہ بدتمیز ہو رہا ہے۔ بچے کو تو بچہ ہی سمجھ کر بات کرنا چاہیے۔ بچپن سے اس کے سر پر ذمہ داریوں کے بوجھ کا ذکر کر کے اسے بددل کر دیا ہے۔ میں موجود ہوں۔ آپ کبھی تو مجھ سے اپنی پریشانی کہہ دیا کریں۔ میں کیا غیر ہوں؟"

یوسف کے شکوے نے اماں کو رلا دیا اور اگلے دن ندا مع سامان کے گھر چھوڑ کر اوپر آ گئی۔ اس خطرے اور صبا کی ذہانت اور صحیح اقدام کا اندازہ کر کے ندا کو اپنے خیالات اور سلوک پر ندامت تھی۔

اب ایاز یوسف کے زیر سایہ رہنے لگا تھا اور اپنے جرم پر شرمندہ بھی تھا۔ یوسف نے ٹائم ٹیبل بنا دیا تھا۔ اسی کے مطابق وقت گزرتا تھا۔ ایک یوسف کے آ جانے سے اماں کو حفاظت اور اطمینان کا احساس ہو گیا تھا۔ صبا خاموشی سے کالج اور آفس سنبھالتی رہی۔ وہ بہت کم اوپر آتی۔ اسے فرصت ہی نہیں تھی۔ ایک دن اچانک ہما کی ساس آ گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہما کا شوہر انگلینڈ سے آنے والا ہے۔ اور اس ماہ کے آخر تک رخصتی کر دی جائے تاکہ وہ کچھ

دن سسرال میں رہ لے۔ پھر شوہر کے ساتھ انگلینڈ چل جائے گی۔ اماں کے ہاتھ پیر پھول گئے وہ گھبرا گئیں۔ مگر صبا نے تسلی دی اور بھابی ساس سے شکایت کی کہ اتنے کم نوٹس پر وہ کس طرح تیاری کر سکیں گے انہوں نے بہت محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"بیٹی، تم کوئی غیر نہیں ہو۔ نہ ہی ہم اتنے بے خبر ہیں۔ ہمیں تمہاری پریشانیوں کا بخوبی احساس ہے۔ دراصل ہمیں ایک۔ اچھی بہو درکار ہے۔ جہیز کے ہم طلبگار نہیں۔ یوں بھی اسے انگلینڈ جانا ہے۔ اور ہمارے گھر میں فاضل سامان کی گنجائش نہیں۔ سمجھیں؟"

صبا سمجھ گئی اور چند اچھے کپڑے اور کچھ آرائش اور ضروری چیزیں جو پہلے ہی جمع تھیں دے کر صبا کو رخصت کر دیا گیا۔ اور اس کے تین ہفتے بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ چل گئی۔ گھر میں سناٹا ہو گیا۔ صبا صبح جاتی تو رات کو آتی۔

---

ایاز یوسف کا سایہ بن گیا تھا اور اس کے اشارے پر تعمیل کرتا۔ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا۔ جب وہ صبا کو صبح سے رات تک محنت کرتے دیکھتا اور پھر وہ تھکی ہاری منہ لپیٹے بستر پر لیٹی ہوتی تو ایاز اس کے لیے گرم چائے بنا کر لاتا اور اس کو دن بھر کی رپورٹ دیتا۔ وہ صبا کے سامنے نیاز مندی کی تصویر بنا رہتا۔ صبا پوچھتی۔

"تم کو پہلے تو میرا خیال نہ آتا تھا۔ اب تم اس قدر انکساری کرتے ہو۔ بات کیا ہے؟"

"آپی۔ بھائی جان نے میری کایا پلٹ دی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے نصیحت نہیں کریں گے۔ بس مجھے آنکھیں کھول کر ہر طرف دیکھنا ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ میری آپی اس گھر کے لیے میرے لیے صبح سے شام تک محنت کرتی ہیں اور کسی پر احسان نہیں دھرتیں آپی۔ میں کچھ دن بعد تمہاری سروس ختم کرانے کی فکر میں ہوں۔ سچ۔ بس ذرا مجھے امتحان پاس کر لینے دو۔"

صبا ایاز کو پیار سے دیکھ لیتی۔ "تم کسی قابل ہو جاؤ تو میری محنت وصول ہو جائے گی۔"

"آپی، اب تم شادی کر لو۔ امی بہت روتی ہیں۔ کہ تم خالہ مخدوم رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری کوشش اور قربانیوں کا انعام دوں گا۔"

"نہیں ایاز، تم کسی قابل ہو جاؤ۔ بس یہی میرا انعام ہے۔"

صبا سوچتی۔ "کیا ہی اچھا ہوتا ایاز تم راستہ نہ بھولتے ٹھوکر نہ کھاتے اور آرام سے منزل کی طرف بڑھتے رہتے۔ میں بھی اس قدر نہ الجھی کر دنیا بھول گئی۔ اس دنیا کی رنگینی سے بے خبر اور جہان کی خوشیوں سے لاپروا ہو گئی۔ کتنی اداسی، کیسی ویرانی میرے وجود میں ڈیرا جما چکی ہے۔ اس کا احساس تو ابھی کل ہی مجھے صدیقہ باجی نے دلایا۔ جو کئی سال بعد ملی تھیں اور حیران تھیں۔

"یہ تم ہو صبا۔ یہ تم ہو۔ کیا ہو گیا ہے تم کو؟ یہ بجھا بجھا چہرہ۔ یہ اداس آنکھیں۔ یقین نہیں آتا کہ تم وہی صبا ہو۔ تمہاری وہ شگفتگی، وہ شوخی کہاں گئی؟ وہ رنگ روپ بھی ماند پڑ گیا۔ ارے تم تو مجھے جھٹلانے کے سارے طریقے اختیار کر چکی ہو۔"

"میں سمجھی نہیں۔ آپ کو جھٹلانے کے۔ مطلب؟"

"میں نے جو سسرال والوں سے تمہاری شوخیوں، شرارتوں اور حاضر جوابیوں کے قصے بیان کیے ہیں اور جس سے متاثر ہو کر وہ سب عنقریب تم کو اپنانے والے ہیں۔"

"ارے نہیں صدیقہ باجی۔ آپ۔ نہیں۔ نہیں۔ آپ کو علم نہیں۔ میں نے ابھی ایسا ارادہ نہیں کیا۔ دراصل ابھی مجھ پر بہت ذمے داری ہے۔ جب تک ایاز اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا۔ امی کا سہارا نہیں بن جاتا تب تک میں تو کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی۔"

"اچھا تو سال دو سال مت سوچو۔ میرے دیور کو بھی سال دو سال لگیں گے۔ وہ کسی خاص قسم کے پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے اس کے اختتام تک بلکہ تم اپنے آپ کو سنبھالو صبا۔ زندگی دوبارہ نہیں ملتی۔ اس سے لاپروائی برتنا گناہ ہے۔ خدا کے فضل سے تمہاری کئی ذمہ داریاں ہلکی ہو چکی ہیں۔ اب تم بھی اپنی خوشیوں اور مستقبل کے لیے بہار کے پھولوں کا بندوبست کر لو، ہنسو، مسکراؤ۔ زبردستی اداسی مت طاری کرو۔ پیاری سی لڑکی۔ تمہارے بارے میں میں نے سب معلوم کر لیا ہے۔ تم نے ایک لائق فرزند کی طرح اپنا آپ منوایا ہے۔ مجھے یوسف نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب تم اپنی حالت پر توجہ دو۔ اور خوشیوں، رنگوں اور خوشبوؤں کے لیے تیار رہو۔ یاد رکھو، زندگی میں بہار کا اہتمام نہ کرنا کفران نعمت ہے۔"

"صدیقہ باجی، میری پیاری قابل احترام بہن، بڑے ابا



مرحوم کی بڑی بیٹی۔ آپ ملک سے باہر رہتی ہیں آپ کو کیا خبر وہ کون سی آگ ہے جو مجھے جھلسا رہی ہے۔ وہ کون سی آندھی ہے جس نے مجھے خشک پتوں کی طرح شاخوں سے جدا کر کے ویرانوں میں لا پھینکا۔ اور آپ کو کیا علم میری زندگی میں اب خزاں کا موسم ابدی موسم بن گیا ہے۔ خدارا۔ مجھے اس دنیا میں رہنے دیں باجی۔ مجھے اس موسم سے محبت ہو گئی ہے۔ ان آندھیوں کی خوگر ہو چکی ہوں اور اب عمر بھی تو گزر گئی۔ اب میرا ویرانوں کے سوا کہیں گزر نہیں ہو سکتا۔"

"آپی۔ اب تو بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے۔" ایاز اس کے پاس بیٹھا اپنی پتلی لمبی انگلیوں سے اس کا ماتھا سہلا رہا تھا۔ بہت سکون، بے حد آرام محسوس ہو رہا تھا صبا کو۔ اسی لیے وہ آنکھیں بند کیے خیالوں میں گم تھی۔

"ارے!" وہ چونکی۔ "کون سی آرزو؟ مجھے تو بتاؤ۔" صبا حیرت سے [illegible] ایاز اب کچھ دن سے بہت پیاری باتیں کرنے لگا تھا پہلے تو اسے کسی سے بات کرنے مخاطب ہونے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ دوستوں آوارہ گردیوں میں مصروف۔ وہ کسی بات کا جواب بھی اکھڑ پن سے دیتا تھا [illegible] جاتے۔ یوسف نے کیا جادو کیا تھا کہ وہ بالکل بدل گیا اور اپنا وقت گھر پر گزارنے لگا۔ نہ صرف [illegible] سے کام کرنے لگا تھا پہلے باہر کے کام صبا [illegible] تھے۔ بجلی کا بل جمع کرانا ہو۔ ڈاکٹر کے پاس [illegible] کے سلسلے میں تقریباً تیسرے دن ہی اسے ڈاکٹر کے کلینک جانا پڑتا تھا۔ اور وہ اس [illegible] ڈاکٹر نے ایک بار اسے بھی علاج [illegible] دیا تھا۔ مگر اب ایاز امی کی دوائیں [illegible] لاتا تھا اور باہر کا سودا وغیرہ بھی۔

"[illegible] کون سی آرزو؟ بتاؤ نا!"

"[illegible] کی شادی ہو۔ میں خود آپی کے سر پر سہرا [illegible] انہیں کسی بھی ہونڈا کار میں بٹھاؤں [illegible] گھر واپس آ جاؤں۔ اور دعا نہ پڑھ کر تمہارے [illegible] میری آپی کو وہ ساری خوشیاں اور [illegible] جس طرح انہوں نے ہمارے لیے زندگی [illegible]

[illegible] صبا کو ایاز پر پیار آ گیا۔ اسے گلے لگا کر

وہ کتنی دیر پرسکون انداز میں بیٹھی رہی۔ "اب نفیسہ کی شادی کرنا تم اپنے ہاتھ سے۔ اس کے سر پر پلو ڈالنا اسے رخصت کرنا سمجھے۔"

"کیوں آپی؟ کیا تم ساری زندگی اسی طرح گزار دو گی۔ جب میں ملازم ہو کر کسی آفس میں کام کروں گا تب بھی؟ افسر بن کر حکم چلاؤں گا۔ ارے آپی! میں تم پر بھی حکم چلاؤں گا۔ یہ نہ بھولو۔ سمجھیں؟" وہ شوخ ہو کر بولا۔ صبا ہنس دی۔

"ہاں پھر میں تمہارا حکم مان لوں گی خوش؟"

"پگلے۔ میں تو اس آرزو میں ویرانے میں بسیرا کر رہی ہوں۔ کہ کب تم کسی قابل ہو اور میں سرخرو۔ میری زندگی ثمر دینے لگے۔ اپنے ابا کی خواہش کو پورا ہوتے دیکھنا ہی میری آرزو ہے۔"

---

"کیا بات ہے؟" یوسف نے ندا کو سست دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے۔ لیٹی کیوں ہو بے وقت؟" ندا کسمسا کر رہ گئی۔ "کئی دن سے اسکول بھی نہیں گئی ہو۔ بتاؤ نا کیا بات ہے؟"

"اسکول تو بہت دن سے چھوڑا ہوا ہے۔"

"او ہو۔ اچھا۔ اچھی خبر ہے۔ پھر گزارا کیسے کر رہی ہو؟"

"طنز مت کریں۔ اب ضرورت نہیں سروس کی۔"

"بہت خوب۔ اب تو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم زیادہ تر آرام ہی کرتی ہو۔ بچیاں نانی کے ذمے ہیں۔ ان کے کام خالاؤں نے بانٹ لیے ہیں۔ سنا ہے دن کا کھانا نیچے کھاتی ہو۔ صرف رات کو میری وجہ سے کھانا پکاتی ہو۔ اکثر تو صبح کا ناشتا بھی نفیسہ بنا لیتی ہے شام کی چائے آپ نیچے جا کر پی لیتی ہیں۔"

"اوہو!" ندا تلملا گئی۔ "اس قدر خبریں معلوم ہیں۔ تو یہ جب آرام ملے تو کیوں نہ کروں؟"

"ضرور کرو۔ مگر دوسروں کو تکلیف دے کر نہیں۔ ہر شخص کو اپنی ذمے داری نبھانی چاہیے۔"

ندا اسے بتا نہ سکی کہ وہ اپنی ہر ذمے داری نبھاتی ہے لیکن ان دنوں اس کی طبیعت بوجھل رہتی ہے۔ اور کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ پھر امی اسے کچھ کرنے بھی نہیں دیتیں۔

یوسف کی والدہ گاؤں میں تھیں۔ ان کی بیماری کی اطلاع آئی تو یوسف نے دفتر سے چھٹی لے لی اور گاؤں جانے

کی تیمارداری کرنے لگا۔ ندا نے بھی گاؤں جا کر ساس کی عیادت اور تیمارداری کا شوق ظاہر کیا۔ ندا کبھی گاؤں نہیں گئی تھی۔ وہاں سے ہی کبھی کوئی آ جاتا تو وہ اس کی خاطر تواضع کرتی تھی۔ مگر یوسف کے چچا زاد بھائیوں، بہنوں سے وہ کبھی نہیں ملی تھی۔ اس بہانے سسرال والوں سے ملنے کا شوق پورا ہو رہا تھا۔ گاؤں کی جس فضا جس ماحول کی وہ توقع کر رہی تھی اس سے بالکل جدا ان کا آبائی گھر، ایک سرخ اینٹوں کی بنی بڑی سی حویلی تھی جس کا پھاٹک بے حد اونچا اور ڈیوڑھی وسیع تھی۔ اس پھاٹک کے اندر پوری بستی بسی ہوئی تھی۔ تمام رشتے دار اس کے اندر رہتے تھے۔ بڑے چچا، چھوٹے چچا، ان کی اولادیں، سب کے گھر الگ الگ مگر ایک چھت۔ اندر ہر طرف شہری زندگی کے لوازمات تھے۔ بڑے بڑے کمروں میں قیمتی قالینیں، جھاڑ فانوس اور آرائشی ساز و سامان کی بہتات تھی۔ یوسف کا گھر بھی ایسے ہی سامان سے اٹا ہوا تھا۔ یوسف نے چند نوجوانوں سے ندا کا تعارف کرایا۔ "برادران یوسف" کہہ کر وہ لوگ ہنسنے لگے۔ وہ سب تعلیم یافتہ اور بااخلاق لوگ تھے۔ کوئی انجینئر تھا، کوئی ڈاکٹر۔

یوسف کی امی بیٹے بہو کو دیکھ کر ہی صحت یاب ہو گئیں۔ یوں بھی ان کی تیمارداری کے لیے دو عورتیں موجود تھیں۔ اور دن بھر رشتے دار خواتین کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ ندا کو دیکھنے، اس سے ملنے کے لیے بے شمار لوگ آئے۔ یوسف اکھڑا اکھڑا تھا، مہرو اور علی ہاتھوں ہاتھ ادھر سے ادھر رہتیں۔ ندا کی حیران آنکھوں کے سوال یوسف سے چھپے نہیں تھے۔ مگر وہ جواب دینا نہیں چاہتا تھا۔ ایک اعلا پوزیشن کے ہوتے ہوئے وہ شہر میں تلاش معاش کے لیے سرگرداں رہا، ٹیوشن کر کے خرچ چلاتا، اور ملازمت ملنے پر معمولی بلکہ ادنیٰ درجے کی زندگی گزارتا رہا۔ وہ ساس سے پوچھنا چاہتی تھی مگر ان کے پاس عیادت کو آنے والی خواتین کا مجمع لگا رہتا۔ یوسف کی بہن ہاجرہ بڑے چچا کی بہو تھی۔ وہ دن میں دو مرتبہ آتی۔ ماں کی خیریت دریافت کرتے ندا سے ہنسی مذاق کرتی۔ مہرو اور علی کو پیار کرتی۔ "ارے بابا! بہت کام پڑا ہے" کہہ کر تیز تیز قدموں سے واپس چلی جاتی۔ حالانکہ اس کے پاس بھی نوکروں کی فوج تھی مگر پھر بھی وہ مصروف رہتی تھی۔

"گاؤں کے کام بہت مشکل ہوتے ہیں بھابی" اس نے ندا کے سوال کا جواب دیا: "غلہ آتا ہے اس کی صفائی کروانی، پھر تلوا کر بوریوں میں بھروا کر رکھوانا۔ نوکروں کو حساب سے غلہ دینا، پیسے دینا، باورچی کو تول کر آٹا دال مسالا دیا جاتا ہے۔ سب کام سر پر کھڑے ہو کر نہ کراؤں تو گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ باہر ایک وقت میں چالیس پچاس آدمی ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بل بل چائے، شربت، لسی، کبھی کبھی کھانا بھیجنا پڑتا ہے۔ یہ سارے انتظام گھر والی نہ کرے تو نوکر لوٹ کر کھا جاتے ہیں۔" اور پھر وہ ہنس دی۔

"ہمارے سر دھڑ سے پکے دیہاتی۔ کسی چیز میں ذائقہ نہ ہو یا کوئی کام ڈھنگ سے نہ ہو تو شامت نوکروں کی نہیں بیویوں کی آتی ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ کے علاوہ وہ کبھی کبھی تو مار پیٹ کی نوبت آ جاتی ہے۔ میں تو خیر کبھی پٹی نہیں۔" وہ بے اختیار ہنستی رہی۔ ندا کو تعجب تھا۔ یہ تعلیم یافتہ لوگ، مگر ذہنی طور پر اس قدر پسماندہ۔

"البتہ جمیلہ بھابی بہت پٹتی تھیں۔" ہاجرہ نے رازداری سے بتایا: "جمیلہ بھابی شہری عورت تھیں، مگر اب وہ بیوہ ہو کر حویلی کے ایک حصے میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھیں۔ اور دن بھر یوسف کی امی کے پاس بیٹھی ان کی تیمارداری کے علاوہ دوسرے کام بھی کر دیتی تھیں۔ بے حد نفیس اور بے غرض۔

"تم پری جمال سے ملیں؟" جمیلہ بھابی نے ندا سے پوچھا۔ ندا حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔ یہ نام تو اس نے سنا بھی نہیں تھا۔ "پری جمال یوسف کی منگیتر۔ بچپن سے ہی اس کے نام پر بیٹھی ہے۔

یوسف نے اس سے شادی نہیں کی، شہر چلا گیا۔ تبھی تو بڑے چچا نے یوسف کی زمین جائیداد اپنے نام کرالی جو پری جمال کے بھائیوں میں بٹ گئی۔ مگر اب بھی، اگر یوسف پری جمال سے شادی کرے تو ساری زمین اس کی ہو جائے۔"

ندا کے چھکے چھوٹنے لگے۔

"یوسف نے تو ایسا شہر بسایا کہ پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ کون پری جمال، اور کیسی جائیداد۔ اور پری جمال بے چاری اب تک کنواری ہے۔ اس کے بہت رشتے آتے ہیں مگر کہتی ہے زندگی کے آخری لمحوں تک یوسف کا انتظار کروں گی۔" ندا نے گھبرا کر جمیلہ بھابی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی۔ جمیلہ بھابی نے چونک کر کہا۔



"ارے کیا ہوا۔ گھبراؤ نہیں۔ یوسف ایسا آدمی نہیں ہے۔ زبان کا پختہ ہے اور پھر تم اس کے بچوں کی ماں ہو۔ بس اب اس دفعہ بیٹا پیدا کرنا اور اس کے بعد دوسرا بیٹا، سمجھیں۔ تمہاری ساس کو پوتے کی تمنا ہے۔ پوتا ہو جائے تو تمہارے قدم بہت مضبوط ہوں گے۔ مجھے دیکھو میری شادی کے بعد مجھے اس حویلی سے سوائے طعنوں تشنوں کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میاں بات بات میں مارتا تھا۔ سچ میں ہر بار اس کو بد دعا دیتی تھی۔ یہاں کا دستور ہی عجیب ہے۔ سب مرد بیویوں کو کسی نہ کسی بہانے مارتے ہیں۔ اپنا رعب جمانے کے لیے، مردانگی کے ثبوت کے طور پر۔ میں احتجاج کرتی تھی۔ تو سب نفرت کرتے تھے۔ میرا میاں، اف وہ تو پکا جانگلوس تھا۔ مگر جب میرا بیٹا پیدا ہوا۔ تو سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔ میاں کے مرنے کے بعد بھی میرا پورا خرچہ، بیٹے کی تعلیم کا خرچ بڑے چچا نے اپنے ذمے لے لیا۔ اب میں آزادی سے رہتی ہوں۔ بیٹے کی ماں کی عزت بھی ہوتی ہے قدر بھی۔"

بڑے چھوٹے دونوں چچا یوسف کے گھر خاص طور سے ندا کو دیکھنے آئے۔ ندا کا سادہ لباس، معصوم حسن اور نرم لہجہ شرمیلا انداز انہیں پسند آیا۔ وہ پسندیدگی کا اظہار کرنے سے چوکے بھی نہیں۔ یوسف کی امی بے حد خوش تھیں۔ جاتے جاتے دونوں چچا ندا کو منہ دکھائی میں بڑی رقم دے رہے تھے۔ ندا نے نہایت تہذیب سے معذرت کی۔

"میں تو اب پرانی ہو چکی ہوں۔ منہ دکھائی کا وقت گزر گیا۔ آپ لوگوں کی شفقت ہی میرا اعزاز ہے۔" کہہ کر اس بڑی رقم سے اس نے ایک ایک نوٹ نکال کر رکھ لیا اور کہا۔

"بس۔ یہ بہت ہے۔ آپ کی محبت اور قدردانی کے صدقے میں لے رہی ہوں۔"

دونوں بزرگوں نے ندا کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور ایک بار پھر وہ رقم لینے پر اصرار کیا۔

ندا نے مسکرا کر کہا: "اگر میں پہلے آ جاتی۔ دو تین سال پہلے تو ضرور لے لیتی۔ مگر اب اتنے دن بعد رونمائی کی رسم محض تکلف ہے اور کسی دوسری نئی دلہن کی حق تلفی۔ آپ نے دیا۔ میں نے لیا۔ اس سے زیادہ کی مستحق میں نہیں ہوں، پلیز۔"

یوسف نے رات گئے آ کر جمیلہ بھابی کی زبانی سب قصہ سنا۔ ان لوگوں کی آمد اور رونمائی کی رقم کا سنتے ہی یوسف کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔ وہ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ مگر جمیلہ بھابی کے اگلے جملے نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ اور وہ لمبا سا سانس لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔

"پتا نہیں، میں ان سب سے اتنا مختلف کیوں ہوں۔ یہ بناوٹ، یہ رسمی زندگی کے طریقے مجھے کیوں پسند نہیں۔ کس لیے اکتایا ہوں میں۔"

اگلے دن پچھلی طرف رہنے والی پھوپھو نادرہ نے جو ندا سے بہت متاثر ہو گئی تھیں چپکے سے کہا: "اری وہ زلیخا تمہیں دیکھنے کے لیے بے قرار ہے۔"

"زلیخا کون؟"

"بڑی آپا کی چھوٹی بیٹی۔ اس کا نام تو آئینہ رکھا گیا تھا۔ مگر بارہ برس کی عمر میں اس نے یوسف سے دل لگا لیا۔ تب سے اپنا نام زلیخا رکھ لیا۔ اسکول میں بھی اس نے اپنا نام بدلوایا۔ اب اس کی جمالہ سے لڑائی ہوتی ہے۔ زلیخا نے جب سنا کہ یوسف نے اپنی پسند کی شادی کر لی تب سے جمالہ سے اس کی کھٹ پٹ ہونے لگی۔ کہتی ہے یوسف میرا نہ ہوا تو تیرا بھی نہیں ہوا۔ دیکھا میری دعا قبول ہوئی اور جمالہ، وہ تو انگاروں پر لوٹتی ہے۔"

ندا خوفزدہ ہو گئی۔ کیسی نئی نئی باتیں سننے میں آ رہی تھیں۔

"جمالہ کہتی ہے میرا نہیں تو تیرا بھی نہیں ہو سکتا اور میں تو کبھی نہ کبھی حاصل کر ہی لوں گی۔ پھر تیرا کوئی چانس نہیں۔ میری محبت سچی ہو گی تو وہ میرا ہو جائے گا۔ میں اس کی منگ ہوں۔ وہ میری آرزو ہے، وہ جانتا ہے مگر تو تو کچھ بھی نہیں۔ نام بدلنے سے ہستی بدل نہیں جاتی۔"

جانے پھوپھو نادرہ کیسی باتیں کر رہی تھیں، ندا کو یہ قصے بالکل اچھے نہیں لگے۔ شاید وہاں یہ روزمرہ کی بات ہو گی۔ ندا کے لیے نئی اور عجیب تھی۔ وہ پری جمال سے ملی، خاص طور پر ان کے گھر گئی۔ پری جمال کی ماں کو سلام کرنے کے بہانے۔ پری جمال بے حد حسین اور دلکش لڑکی تھی۔ سانچے میں ڈھلا جسم، ہوشربا حسن، نرم نازک

میدے اور شہد کی آمیزش سے بنا ہوا شہابی رنگ۔ اس کی آنکھوں میں سچائی کی کرنوں کی چمک تھی۔ شاید وہ پُرامید تھی۔ اس نے ندا کو غور سے دیکھا اور لاپروائی سے نظر کا رخ بدل لیا۔ ندا خود اس کی سمت بڑھی۔ دھڑکتے دل اور سہمی ہوئی نظروں کے ساتھ پری جمال کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں۔" ندا نے بالآخر دل کی بات کہہ ڈالی۔

"آپ سے کم۔" پری جمال جذبات پر قابو پانا جانتی تھی۔ اس نے ندا کا بڑا تپاک خیر مقدم کیا اور اسے بہن بنا لیا۔ زلیخا بھی اتفاق سے وہاں آ گئی۔ وہ بھرپور سے بھرے جسم کی بھرپور لڑکی تھی۔ اس کے انگ انگ سے شوخی ٹپکتی تھی۔ بے حد ہنس مکھ اور خوش مزاج۔ اس نے ندا سے پل بھر میں دوستی گانٹھ لی۔ مگر پری جمال سے مخاطب تک نہ ہوئی۔ یہ کیسی رقابت تھی۔ جو اصل میں رقیب تھی اس سے بہناپا اور دوستی کا رشتہ مگر آپس میں عناد۔ اس نے یوسف سے شکوہ کیا کہ اس نے آج تک اپنے عزیزوں سے اسے کیوں نہیں ملوایا۔ اور ان حالات کے بارے میں کیوں آگاہ نہیں کیا۔ محنت کر کے پیسہ کماتے رہے۔ اپنا حق کیوں نہ مانگا ان سے؟"

"بہت سی باتیں ہر کسی کو نہیں بتاتا۔ تم کو بھی نہیں لیکن یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم قطعی لاعلم رہو۔ بہرحال اب تو تم نے میرا گھرانہ دیکھ لیا۔ سب سے مل لیں۔ اب کوئی سوال نہ کرنا۔ میں جواب نہیں دوں گا۔ میں دادا کی زندگی میں یتیم ہو گیا تھا۔ اس لیے زمین پر میرا کوئی حق نہیں۔ بھیک کی مجھے عادت نہیں۔"

"صرف ایک بات کا جواب۔" ندا نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"اچھا پوچھو مگر اس قدر انکسار سے نہیں، اپنا حق جتا کر پوچھو۔"

"آپ نے پری جمال سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"بہت سی وجوہات ہیں ایک وجہ یہ کہ وہ مجھے پسند نہیں تھی۔ اب بس۔"

"کیوں پسند نہیں تھی؟"

یوسف خاموش ہو گیا۔ اور اس نے ایک سوال کی اجازت دی تھی جس کا جواب وہ دے چکا تھا مگر ندا کو محسوس ہوا وہ دانستہ اس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ اس بے چینی اور اضطراب نے ادھ موا سا کر دیا۔

"ندا بیگم۔" یوسف نے اس کے پریشان چہرے پر نظر ڈال کر پُرسکون انداز میں کہا۔ "جس نے تم سے دل لگا لیا۔ تم کو اپنا لیا وہ اب کہیں بھٹک نہیں سکتا۔ اس کا یقین تم کو ہونا چاہیے۔ اپنے وسوسوں کو دور کر لو۔ یاد رکھو خوشی مشکل سے ملتی ہے۔ اور اس کے لمحات بھی مختصر ہوتے ہیں ——— اس خوشی اور اس کے لمحات کو امر بنا لو۔ اندیشوں میں گھر کر تم ہر خوشی سے دور ہو جاؤ گی۔ میرا تو خیال تھا اب تم یقین کی منزل پر پہنچ گئی ہو گی۔ یہاں آ کر ——— سب سے مل کر، سب کچھ دیکھ کر مگر اب بھی تم فکر مند ہو۔"

وہ بتا نہ سکی وہ کیوں فکر مند ہے۔ پری جمال کا ہوشربا حسن زلیخا کی لاپروا جوانی اسے فکر سے مارے ڈالتی تھی۔ یوسف کو جمال کیوں پسند نہیں؟ کس لیے؟ وہ زلیخا کی بے غرض محبت سے متاثر کیوں نہیں؟ انہوں نے ندا میں کیا دیکھا۔

---

گھر آ کر بھی وہ مضطرب رہی۔ صبا سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ وہ حیران ہو گئی۔

"کیوں آپا! یوسف بھائی کے یقین دلانے کے باوجود تم کو بھروسا نہیں۔ ارے اپنا دل تنگ نہ کرو۔ اسے وسیع رکھو، پھر کوئی فکر نہیں رہے گی۔ ایک بار اعتماد تو کر لو ان پر۔"

"کیسے کروں صبا۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ کو کس قدر بے خبر رکھا تھا اپنے گھر، اپنے حالات سے۔ اپنے رشتوں سے تعلق سے۔ دولت اور جائداد سے۔"

"تمہارا کوئی نقصان تو ہوا نہیں۔ پھر کیا ڈر ہے۔ ان پر یقین نہیں کرو گی تو اپنی خوشیوں کی دشمن ہی بنو گی۔ انہوں نے کسی وجہ سے ہی دولت اور جائداد سے منہ موڑا ہے۔ اس میں پریشانی کی بات ہے بھلا!"

"پتا نہیں، میں اتنی جلد کیوں پریشان ہو جاتی ہوں!"

"تم بھی دسمبر کی پیدائش ہو، میں بھی مگر ہم میں بہت فرق ہے۔" صبا نے کہا۔ "میں تو بہت جلد کسی یقین دلانے والے پر بھروسا کر لیتی ہوں۔ جب بھی پریشانی ہوتی ہے۔ یوسف بھائی کی طرف دوڑتی اور ان کی تسلی پر مطمئن ہو جاتی جیسے



میرے سارے مسئلے حل ہو گئے ہوں اور تم ہو کہ اپنے وجود کی اہمیت پر یقین نہیں کرتیں۔ اپنی زندگی کو الجھاؤ سے بچاؤ آپا!"

"پتا نہیں، مجھے کیوں یقین نہیں آتا کہ میں یوسف کے لیے کوئی اہمیت رکھتی ہوں۔" ندا اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔ "صبا! ایک بار تم نے ایک رسالہ لیا تھا اس میں مخصوص مہینوں میں پیدا ہونے والوں کا ذکر تھا۔ ان کی خصوصیات اور ذہنی رو کا تجزیہ کیا وہ رسالہ تمہارے پاس ہو گا؟"

صبا نے وہ رسالہ سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہی نہیں وہ کئی سال سے اس قسم کے رسالے لے رہی تھی۔ گھر میں پڑھنے کے لیے وہ وقت نکال ہی لیتی تھی۔ مگر کئی برس پہلے کے اس رسالے کو وہ بھولی نہیں تھی۔ وہ کمرے میں جا کر اس کو تلاش کر کے لے آئی۔ رسالہ پھٹ چکا تھا مگر اندرونی صفحات برقرار تھے۔ ندا اسے غور سے پڑھنے لگی۔ طول طویل تجزیے کا لب لباب صرف یہ تھا۔

"تیئیس دسمبر سے بیس جنوری کے درمیان پیدا ہونے والی جدی عورت باوفا، قابل اعتماد مگر حیادار ہوتی ہے۔ اپنے اظہار میں محتاط لیکن مقناطیسی شخصیت کی مالک ہوتی ہے۔ اگر یہ کسی مرد کو پسند کر لیتی ہے تو اس کے ساتھ بغیر پچھتاوے کے زندگی گزار دیتی ہے۔ اور اگر وہ کسی مرد کو پسند کرے مگر مرد اس کی جانب مائل نہ ہو تو اسے شدید صدمہ ہوتا ہے۔

دوسری جگہ شادی کے بعد پوری وفاداری سے اپنی زندگی گزارتی ہے۔ لیکن اپنی پہلی محبت کو زندگی بھر نہیں بھول پاتی۔ یہ عموماً عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔"

پھٹے ہوئے رسالے کی تحریر نے اسے مزید الجھن میں گرفتار کر دیا۔ اسے قطعی اندازہ نہ ہوا کہ محبت کی وہ کون سی شے ہے، جس پر وہ یوسف کی محبت کو رکھ سکے۔ کبھی پری جمال کا تصور اسے ڈراتا کبھی زلیخا کی شخصیت اسے سہماتی۔ اس کی طبیعت بے حد خراب رہنے لگی۔ کمزوری، نقاہت اور بیزاری کا دورہ پڑتا۔ وہ زندگی سے تنگ آ کر مرنے کی دعائیں کرنے لگتی۔ حمیدہ بھابی اور فرح کے جملے اسے تسلی دیتے، وہ بیٹا پیدا کر کے اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکتی ہے اور چند دن اس آس میں مگن ہو جاتی۔ امی نے اسے زینہ چڑھنے سے منع کر دیا۔ اور صبا کا کمرہ اسے دے دیا۔

---

جب ندا کو ہاسپٹل میں داخل کیا گیا۔ اس نے ساس کو بلانے کا خط لکھ دیا۔ ندا بہت مضطرب اور سہمی ہوئی تھی۔ خون کی کمی اور نقاہت نے اسے زندگی سے مایوس کر دیا تھا۔ ہاسپٹل میں اسے کئی دن پہلے داخل کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے تاکید کی تھی۔ اسے مناسب غذا، خون گلوکوز کی اشد ضرورت تھی۔ جب اسے لیبر روم میں لے جایا جانے لگا تو اس نے یوسف کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر التجا کی، "مجھے کچھ ہو جائے تو آپ صبا سے شادی کر لیں میرے بچوں کو دوسری عورت کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیں، دیکھیے سنیے۔"

مگر یوسف کو غصہ آ رہا تھا۔ ندا کو زلیخا اور پری جمال کے حسین خطرے نے اور بھی نڈھال کر دیا۔ یوسف نے اس کی حالت دیکھ کر اپنے موڈ پر قابو پا لیا اور اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔

"جو تم ہو وہ کوئی اور نہیں ندا! فضول خیالوں کو دل میں جگہ نہ دو۔ امید ہمارا سرمایہ ہے۔ یاد رکھنا۔ تمہاری زندگی ہی میری زندگی ہے۔" ندا کے چہرے پر رونق آ گئی۔

"تمہیں زندہ رہنا ہے اپنے بچوں کے لیے میرے لیے اپنے لیے۔" یوسف نے سرگوشی کی اور اسٹریچر پر لیٹی ندا نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا اور پُرسکون ہو کر دعا کرنے لگی۔ اطمینان کا سانس لے کر وہ پھر غنودگی میں چلی گئی لیکن یہ اطمینان اس وقت رخصت ہو گیا جب اسے علم ہوا کہ وہ اس بار دو بیٹیوں کو جنم دے کر موت کے پنجے سے چھوٹ کر فتحیاب ہوئی ہے۔ "خدایا اس بار مجھے بیٹا دے دیتا تو تیرے خزانے میں کیا کمی ہو جاتی۔" اس کا یاس بھرا چہرہ دیکھ کر امی اسے تسلی دینے لگیں۔

"شکر ادا کرو بیٹی! اللہ نے صحت مند اولاد عطا کی ہے۔ ساتھ والے کمرے میں جو عورت ہے اس کا بیٹا نامکمل پیدا ہوا۔ ایک اور لڑکا میں نے دیکھا جس کے سر میں پھوڑا ہے۔ ایک بچہ اندھا، توبہ توبہ۔ بس تم شکر کے کلمے ادا کرو۔ لڑکا لڑکی سب اللہ کی دین، اس کی نعمت

ہے۔ ہمیں اس نے اس قابل تو سمجھا کہ اپنی رحمتوں میں سے عطا کیا ہے۔"

"آپ تو کیا خیر امی جی!" ندا سوچنے لگی۔ "بیٹا بہت ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر مضبوطی نہیں ہوتی۔"

"امی! لوگ کہیں گے کہ میں لڑکا پیدا نہیں کر سکتی۔" ندا نے اپنے خوف کا اظہار کیا تو امی حیران ہو گئیں۔

"اچھا، تم پیدا نہیں کر سکتیں تو یہ تمہاری خامی ہے کیا؟ یوسف کے اختیار میں تھا تو وہی بیٹا۔ ارے ندا کیوں فضول خیالوں میں گم رہتی ہو بیٹی۔ خدا کے اختیار میں ہے، وہ تم کو بیٹا بھی دے گا۔ ان لوگوں کو دیکھو جو ترستے ہیں اور بیٹی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ تم تو چار بیٹیاں ہو۔ جب ایاز پیدا ہوا تو تمہارے ابا نے کہا۔ ارے یار، ہم کو کس نے بلایا تھا ابھی ایک بیٹی اور آجاتی تو میں جنت میں مکان بنا لیتا۔"

"یہ تو بالکل یوسف بھائی کے جیسی ہیں۔" ہاجرہ نے قدرے حیرت سے کہا۔

"یوسف بھائی کی بیٹیاں انہی جیسی ہونی چاہئیں۔ تبھی وہ آپ سے پیار پائیں گی۔" صبا نے ہنسی کے ساتھ طنز کیا۔

"مگر میرا اور علینہ ایسی نہیں ہیں۔"

"ایسی ہی تھیں جب پیدا ہوئی تھیں۔ آپ تو اس وقت تھیں نہیں۔"

"اب بھی میں تو اس یقین کے ساتھ آئی تھی کہ اس بار یوسف بھائی کے بیٹا ہوگا تو میں ان سے اپنا حق لوں گی۔ اور خوشی مناؤں گی۔" ہاجرہ نے صفائی سے ہی آمد کی وجہ بیان کی۔ صبا پھر ہنسی۔

"کمال ہے۔ لڑکی کی خوشی نہیں ہوتی آپ کو۔ کیا آپ خود لڑکی نہیں۔ اگر آپ کے گھر لڑکی ہوتی تو آپ کو رنج ہوتا۔ یا آپ اسے کہیں پھینک آتیں؟"

"ایسا نہیں ہے۔ مگر دیکھو! لڑکا نسل بڑھاتا ہے، باپ دادا کا نام اس سے زندہ رہتا ہے۔"

"کیا لڑکیاں نسل نہیں بڑھاتیں؟ اور آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ آپا لڑکا پیدا نہیں کر سکیں۔" صبا کو اب غصہ آ گیا تھا۔ "آپ یوسف بھائی سے کہتیں کہ اس بار ان کو لڑکے کا باپ بننا ہے۔ پھر شاید ہی کوئی ترکیب کرتے کہ یوسف بھائی کے اختیار میں ہے کیا؟"

ہاجرہ بُرا مان گئی۔

"تو آپا کے اختیار میں ہے؟" صبا حجت پر اتر آئی۔ ہاجرہ لاجواب ہو کر ہنس دی مگر اس نے ندا سے بات نہیں کی۔ نہ اس کی خیریت دریافت کی۔ یوسف اوپر اپنی ماں کے پاس تھا۔ رات کو امی نے کھانا پکا کر فضہ کے ہاتھ اوپر بھجوا دیا۔ اور صبح کا ناشتا بھی۔ یوسف صبح دفتر جانے سے پہلے نیچے آیا۔ بچیوں کو پیار کیا۔ ندا پر ملامت کی نگاہ ڈالی جو اسے دیکھتے ہی آنسو بہانے لگی تھی۔ دراصل اسے ساس کے نیچے نہ آنے کا بہت قلق تھا۔ یوسف کے جانے کے بعد صبا نے ندا کو سمجھایا۔

"کیوں رو رہی ہو آپا! اس طرح تو تم بیمار ہو جاؤ گی۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یوسف بھائی اور بھی پریشان ہوتے ہیں۔"

"تم کو کیا خبر مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔" ندا نے روتے ہوئے کہا۔ "مجھے لگتا ہے میری اولاد ہی میری دشمن بن جائے گی میں انہی کی وجہ سے ہر بار۔"

"خدا کے لیے چپ رہو۔" صبا نے چلا کر اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔ "ان معصوم بے زبان جانوں کو دشمن تو نہ سمجھو۔ کوئی کچھ بھی کہے۔ کچھ کرے تمہاری اپنی ہیں نا!"

"مگر یہ لڑکا تو نہیں ہیں۔"

"لڑکا بھی ہو جائے گا۔ مایوس کیوں ہوتی ہو۔ ہماری لڑکیاں اس قدر پیاری ہیں۔ فخر کرو ان پر۔"

"ان لوگوں کو لڑکے سے فخر ہوتا ہے۔"

"اوہو۔ تم اپنی بات کرو۔ ان سے پیار کرو۔ اور دنیا کی ہر بات بھول جاؤ۔"

"کیسے بھول جاؤں۔ یوسف کی چچا زاد بہن انہی کے نام پر بیٹھی ہیں۔ ذرا سا اشارہ ان کی کامرانی کی نوید ثابت ہو سکتا ہے۔ ہائے میرا کیا ہوگا۔" ندا نے پھر آنسو بہانے شروع کر دیے۔

"خدا کے لیے آپا! جہالت کی بات مت کرو۔ بہانوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ اگر یوسف بھائی ایسے ہوتے تو۔ اوّل تو تم سے شادی کیوں کرتے۔ اور وہ ان کے نام پر بیٹھی نہ ہوتیں۔"

"مگر ان کو بھی بیٹے کی تمنا تو ہوگی۔ زبان سے نہیں کہتے تو کیا ہے۔ شوق تو ہوگا۔"



"تو اپنا شوق پورا کر لیں۔ تم بانجھ تو ہو نہیں گئیں۔ اس شوق کے لیے چار چھ شادیاں کریں گے وہ؟" صبا جل گئی تھی۔ اسے ندا کی نا سمجھی سے کوفت ہو رہی تھی۔ بلاوجہ رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی۔

"اچھا تم چپ رہو۔ میں طوفان کی زد میں ہوں۔ اور تم بک بک کر رہی ہو۔"

"آپا! ہم بھی تو چار بہنیں ہیں۔ اماں تو کبھی پریشان نہیں ہوئیں۔ ابا تو ہمیں خدا کی رحمتیں کہا کرتے تھے۔ اور اماں ابا کسی نے ہمیں حقیر بھی نہیں سمجھا۔"

"اماں کو ابا پر اعتماد تھا۔ کیونکہ ابا لڑکیوں کو رحمت سمجھتے تھے۔"

"تم کو بھی یوسف بھائی پر بھروسا کرنا ہوگا آپا! اپنا آپ منوانے کے لیے خود پر اعتماد کرو۔ یوسف بھائی یقین کرو، تم غیر محفوظ نہیں ہو آپا! یوسف بھائی تمہارا احترام کرتے ہیں۔ عزت کرتے ہیں۔ وہ بے حد پختہ ارادوں کے مالک ہیں۔ تمہاری حق تلفی کبھی نہیں کریں گے۔ تم سے محبت جو کرتے ہیں۔ اب تم لڑکیوں کے بجائے لڑکے بھی ان کے لیے پیدا کر دیتیں نا۔ وہ انہیں بھی سینے سے لگا لیتے۔"

ندا نے تعجب سے صبا کو دیکھا۔ وہ کتنے اطمینان اور یقین سے بول رہی تھی۔ وہ یوسف کو اتنی گہرائی تک جانتی ہے۔ صبا میں اتنا ادراک کہاں سے آیا۔ وہ کیسے سب کی فطرت جان جاتی ہے۔

"اتنا حیران مت ہو آپا! تم ہمیشہ اپنی فکر کرتی ہو، تمہیں اپنے غیر محفوظ ہونے کا اتنا شدید احساس ہے، کسی پر بھروسا نہیں کرتیں۔ تم کو اپنی ذات پر ہی بھروسا نہیں تو یوسف بھائی پر بھی اعتماد کیسے ہوگا آپا! ایک راز کی بات بتاؤں؟ یوسف بھائی تم سے مرعوب ہیں۔ تمہاری ذات کی دلکشی اور کردار کی خوبی نے انہیں پابند کر دیا ہے۔ اب وہ کہیں دیکھ نہیں سکتے۔ تم ایک مرکز ہو۔ اور وہ تمہارے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ آپا! تم بہت محفوظ ہو۔ اپنے آنسوؤں سے اس ناطے کو کمزور نہ بناؤ۔ اللہ سب کی سنتا ہے۔ تمہاری بھی سنے گا۔"

صبا نے تو حتی الامکان اسے سمجھانے کا فرض ادا کر دیا۔ وہ بھی سن کر مان گئی۔ مگر دل میں جو کانٹا تھا وہ کسک دیتا رہا۔ دو تین دن گزر گئے۔ یوسف کی امی نیچے نہیں اتریں۔ ندا کی فکر بڑھتی رہی۔ اس کی طبیعت پست رہنے لگی۔ یوسف بھی زیادہ تر اوپر ہی رہتا تھا۔ ایاز سے کئی بار ندا نے پوچھا۔

"کیا باتیں کرتے رہتے ہیں ماں بیٹے؟"

وہ یقین دلاتا۔ "کچھ بھی نہیں۔ بھائی جان اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ لگا رہتا ہوں۔ وہ اوپر کے کمرے میں الماری لگا رہے ہیں۔ بہت بڑی جس میں چاروں بچیوں کے کپڑے اور کھلونے رکھے جا سکیں۔ سچی آپا۔ بہت خوبصورت الماری ہے۔"

---

"میں نے اقرار کر لیا ہے۔" ایاز نے ڈھنگ لہجے میں کہا ساتھ ہی صبا کی پُرشور حیرت بھری آواز سنائی دی۔

"کیا! کیا!"

"ہاں آپی۔ اب سب ٹھیک ہو گیا ہے میں، میں ہوش میں آگیا ہوں۔ اور اپنے فرائض پہچاننے لگا ہوں۔" ایاز مضبوط لہجے میں مخاطب تھا۔ "اس کے علاوہ بھائی جان میری راہبری کے لیے یہیں موجود ہیں۔ اب مجھے تمہارے مستقبل کے لیے فیصلہ کرنے کا حق بھی ہے اور ہوش بھی۔"

ندا اٹھ کر امی کے کمرے میں آگئی۔ جہاں باقاعدہ محفل جمی ہوئی تھی۔ ایاز میز پر جا بیٹھا تھا۔ اماں اور صدیقہ باجی پلنگ پر براجمان تھیں۔ صبا فرش پر بیٹھی چائے بنا رہی تھی۔ جبھی ایاز نے آ کر اس کے ہاتھ سے چائے دانی لے لی۔ اور غصے سے کہا۔

"چلو اب تم کام سنبھالو۔ آپی کی آنچ سے چھٹی۔ اب انہیں آرام کرنے دو۔ آپا۔ آپا بھی آگئیں۔ آیئے آپا! اب آپ کی باری ہے۔ آپ ایک کام اپنے ذمے لے لیں۔ آپی کو دلہن بنانے کا کام۔"

صبا نے سر نیچے کر لیا۔ اسے ہنسی آ رہی تھی پھر ڈپٹ کر بولی۔

"اچھا دادا! اب ایکٹنگ ختم کرو۔ اور پڑھنے کی تیاری کرو۔ امتحان میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے۔"

"جی میں اوپر جا کر دیکھ آیا ہوں۔ بھائی جان اپنی امی کے ساتھ کسی اہم کانفرنس میں مصروف ہیں۔ نہایت

نئی قسم کی گفتگو ہو رہی ہے۔ میں نیچے آگیا۔ اب آدھ گھنٹے بعد جاؤں گا۔"

ابا کی بات سن کر ندا پر کپکپی طاری ہو گئی۔ صبا نے اسے سنبھالا۔

"آپا! کیوں کیا ہوا؟ خدا کے لیے حوصلے سے کام لو۔"

"ہاں۔ حوصلے سے صبا کی شادی کی تیاری کرو۔" صدیقہ باجی نے کہا۔ اور ایک برفی کی ڈلی ندا کی طرف بڑھائی۔

"اور خوشی کے اس موقع پر منہ بھی میٹھا کرو۔ اس سے دل مضبوط ہوتا ہے۔"

ندا نے برفی کھا کر صبا کو دیکھا۔ جس کا چہرہ کھلے ہوئے پھول کی مانند اجلا تھا۔ کوئی تاسف رنج یا سوچ کا سایہ اس پر نہ تھا۔ ندا کے سینے پر سے کوئی بوجھ سا اتر گیا۔ وہ اٹھ کر باہر آئی۔ اور کمزور قدموں سے زینہ چڑھنے لگی۔ اوپر پہنچتے پہنچتے سانس پھول گیا۔ دیوار کا سہارا لے کر زمین پر بیٹھ گئی۔ نیا کمرہ اس نے پہلی بار دیکھا جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور سامنے ہی بڑی سی الماری دیوار میں نصب تھی۔ کچھ اور زمین پر پڑے تھے۔ درمیان میں بستر اور کونے میں خوش رنگ صوفے۔ تو یوسف اتنے دن یہی کچھ کرتے رہے۔ کمرے سے آوازیں آرہی تھیں وہ دروازے کو ہاتھ مار کر جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھل گیا تھا۔ اور اب آوازیں صاف ہو کر اس تک پہنچنے لگیں۔ وہی ہوا جس کا اسے خطرہ تھا یوسف کی امی پوتے کی آرزو پوری نہ ہونے پر ندا کی طرف سے مایوسی کا اظہار کر رہی تھیں۔ اور ہاجرہ کہہ رہی تھی۔

"امی جی! کتنی پیاری لڑکیاں ہیں۔ ہاتھ لگنے سے میلی ہوتی ہیں۔ بھابی بے چاری کا کیا قصور ہے۔ اب یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اس نے بیٹا نہیں دیا۔"

"میں تو شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو صحت مند اولاد عطا کی ہے۔ امی! وہاں ہاسپٹل میں اتنی عجیب قسموں کے بچے دیکھ کر توبہ کرتا رہا اور شکر ادا کرتا رہا۔ میری ذات پر اللہ تعالیٰ کے بہت احسانات ہیں۔ میں اس کی نعمتوں کے قابل تو نہ تھا۔ مگر وہ مجھے نوازتا ہے تو دل سے ہی نہیں میرے روئیں روئیں سے اس کی شکر گزاری کے جذبات ابلنے لگتے ہیں۔"

"ہاں۔ پہلا احسان تو شادی ہی تھی۔" اماں طنز سے بولی تھیں۔

"اس سے پہلے بھی قدرت نے میری راہ نمائی فرمائی اور مجھے فیصلے کی قوت عطا کی۔ ورنہ میں اپنے انہی رشتے داروں کے چنگل میں پھنسا ہوتا۔ اور میری زندگی دوسروں کے تابع ہوتی۔ یہ احسان بھی کم نہیں کہ میں کسی کا دست نگر نہیں ہوا۔ میری ہر آرزو پوری ہوئی۔"

"تو یہ لڑکیاں بھی تمہاری آرزو ہیں؟ یہ بتاؤ میری آرزو کب پوری ہوگی۔ خاندان کا نام کیسے چلے گا۔ کب تک دل کو بہلاتی رہوں میں؟ ایک امید کے سہارے۔"

"امید ہی تو سب سے بڑا سہارا ہے امی۔ فی الحال ان معصوم نعمتوں سے دل بہلائیے۔ ان کے نام رکھیے اور انہیں گود میں لے کر اپنی شفقت اور بزرگی کا یقین دلائیے۔ آپ کا دل بہل جائے گا۔"

"میرا دل بہلانے کے لیے میری بات مان لو بیٹا! کیا کوئی دوسری شادی نہیں کرتا؟ شریعت میں اجازت ہے۔ اگر ندا کے بھی ماں کی طرح چھ بیٹیاں ہو گئیں۔ تو میں تو آرزو دل میں لیے زمین میں جا سوؤں گی۔ اف خدا۔ چھ لڑکیاں۔ نحوست۔"

"توبہ کریں امی۔ خدا کے لیے۔" یوسف نے چڑ کر کہا۔ "یہ چار بیٹیاں تو رحمت خداوندی ہیں۔ اگر سات بیٹیاں بھی ہوں تو میں اس کا شکر ادا کروں گا۔ بس یہی دعا ہے کہ وہ ثابت و سالم صحت مند ہوں۔"

"بیٹا! مجھے تو اولاد میں سب سے اچھا بیٹا لگتا ہے۔ اور میں تو پوتے کے لیے اب انتظار کرنے کو تیار نہیں۔ گاؤں میں سب تیاری ہے۔ جمالہ موجود ہے۔ اس سے شادی کر کے اپنی زمین جائیداد حاصل کر لو گے۔ وہ وہیں رہے گی۔ تم ندا کو اپنے ساتھ رکھنا۔ میں اس کے پاس چلی جاؤں گی سنا! کسی کا ذرہ بھر نقصان نہیں ہوگا۔"

"اور آپ کو یقین ہے کہ پہلی فرصت میں قدرت آپ کو پوتا دے گی؟ پیاری امی جان! میری قسمت میں بیٹا ہے تو وہ آپ کو ندا کے ذریعے ہی ملے گا۔ یہ میرا جواب ہے۔"

اندر اماں رو رہی تھیں۔ باہر ندا کانپ رہی تھی۔ ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ سائیں سائیں گونج رہے تھے کب تک۔ کب تک یوسف انکار کرے گا۔



کب تک مخالفت کرے گا۔ میرا کیا ہوگا۔ بچیاں۔ میری بچیاں کیا باپ کی محبت کو ترسیں گی؟ کیا میں بے سائبان ہو جاؤں گی؟ پری جمال۔ پری جمال یوسف بن کر اپنے حسن کے ذریعے سب کچھ چھین لے گی۔ میری قسمت۔ میرا غرور۔ اندر اب بھی بحث ہو رہی تھی لیکن ندا اب ان آوازوں کو سننے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی اور نیچے جانے کے ارادے سے پہلا قدم اٹھایا تھا کہ یوسف کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"یہ چار بیٹیاں مجھے ندا کے ذریعے ملیں، وہ ان سات بیٹوں سے بڑھ کر ہیں جو کسی دوسری عورت سے ملیں۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں امی۔ جب میں نے ندا سے شادی کی ہے۔ اس وقت زلیخا بھی موجود تھی۔ جمالہ بھی۔ مگر مجھے ان میں اس جمال کی کمی نظر آئی۔ جس سے میری ذات کی تکمیل ہوتی۔ امی! ندا کو میں نے اپنی ذات پر فخر کے جذبے کے ساتھ اپنایا تھا۔ اگر وہ مجھے نہ ملتی تو آپ کا بیٹا نامکمل رہتا۔ ادھورا اور ایسے دس جمالہ اور زلیخا بھی مکمل کرنے سے قاصر رہتیں۔"

"آپ تو یوسف بھائی کی خواہش پوری کر دیں۔" ہاجرہ خوشامدانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "وہ کسی پری جمال کے نہیں ہوں گے بس آپ ان معصوم گڑیوں کو گود میں لے لیں۔"

"ہاجرہ۔ امی کو یہ بھی بتا دو۔" یوسف کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اور وہ اپنے جذبات کو روک کر ملائم لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"ندا میری زمین۔ اور یہ بچیاں میری فصل ہیں۔ اور لہلہاتی فصل کا یہ سرمایہ مجھے انعام میں ملا ہے۔ میں ان کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔ میں نے محبت کی ہے امی۔ اور اس کا بھرم رکھنا میرا فرض ہے۔ آپ مجھے فرض ادا کرنے سے نہیں روک سکتیں۔ کوئی ماں عبادت کرنے سے روکے تو وہ ماں نہیں۔ دشمن کہلاتی ہے۔ مجھے عبادت کرنے دیجیے۔ ورنہ میں سمجھوں گا آپ بھی اس ٹولے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو میرا سر جھکانے اور غرور کو مٹانے کی کوشش میں خود ذلیل ہو گئے۔ امی میں نے ندا سے محبت کی ہے اور میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ محبت ہی عبادت ہے۔ یہ میرا یقین ہے۔"

ندا نے دیوار کا سہارا چھوڑ دیا۔ وہ اب اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔ گرم جذبات آنکھوں میں پانی جمع ہو رہا تھا۔ نقاہت اور کمزوری یوسف کے آخری جملوں کے ساتھ ہی دور ہو چکی تھی۔ احساسات میں زبردست تغیر رونما ہوا تھا۔ وہ جو شروع دن سے خود کو غیر محفوظ اور ناتواں سمجھ رہی تھی۔ لڑکیوں کی پیدائش پر جس کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی تھی۔ یوسف کے خیالات کے اظہار نے، اس کی بھرپور اٹل محبت کی قوت نے اس کے سر پر سائبان تان دیا تھا۔ زمانے کے سرد گرم سے محفوظ رکھنے کے لیے پیروں تلے دھرتی مقناطیس بن گئی تھی۔ سرخوشی۔ سرشاری کی کیفیت نے اس کے وجود کو ہلکا پھلکا بنا دیا تھا۔

محبت۔ تو یہ ہوتی ہے محبت۔ آج اس نے محبت کی پائیداری، مضبوطی، اور کشش کو پورے جذبے کے ساتھ محسوس کیا۔ قبول کیا تھا۔ اندیشے، خطرات دور دور تک کوئی دکھ کا سایہ تک نہ رہا۔ اپنی بڑھتی توانائی کے ساتھ وہ مکمل اعتماد سے قدم بڑھاتی کمرے کے اندر داخل ہو گئی۔ ہاجرہ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ جیسے اس کے احترام میں استقبال میں کمی نہ ہو جائے۔ علیٰ اور مہر دادی کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ اور دونوں چھوٹی بچیاں دادی کی گود میں تھیں۔ شاید یہی وہ خواہش تھی جو یوسف پوری کرانا چاہتا تھا۔ اور دادی بن کر انہیں بچیوں کو گود میں لینا پڑا۔ یوسف نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ندا کا چہرہ سپاٹ نہیں تھا۔ اس پر بہار کے پھولوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ آنکھوں میں یقین کی روشنی جگمگ کر رہی تھی۔ کمرے میں قوس قزح کے رنگ اور بہار کے لہلہاتے پھولوں کی خوشبو بکھرنے لگی۔ یوسف اپنی زمین، اپنی دولت کو دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔ ندا کو محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یوسف کو پہلی بار دیکھ رہی ہے۔ پہلی بار مسکراتے دیکھ رہی ہے۔